



اے ضمیر آواز تیری رہبر منزل بنی
جب کوئی آیا مسافر راستہ بھٹکا ہوا
خواجہ ضمیر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَدِیۃ ضَمِیۃ



ہر عظمتِ حیات کی منزل دکھا گیا
میرا ہر ایک شعراے ضمیر ہے



خواجه ضمیر

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

خواجہ احمد ظہیرؒ	نام مصنف
حکیم میر حیدر صاحب	مفت والد صاحب کا نام نامی
صدائے حمائر	نام مجموعہء کلام
ادارہ محفلِ ادب	ترتیب و ترتیب
ایک ہزار	تعداد
ماہ جون ۱۹۹۳ء	سن اشاعت
جناب سلاطین خوشنویس	سر ورق
اردو کتاب گھر ۲۱۶-۸-۱۷ باغِ جہاں آرا و حیدر آباد	کتابت
حسینی اکیڈمی حیدر آباد دکن	زیر اہتمام
طائفہ الکڑک پریس چھتہ بازار	طباعت
تیس روپے	قیمت

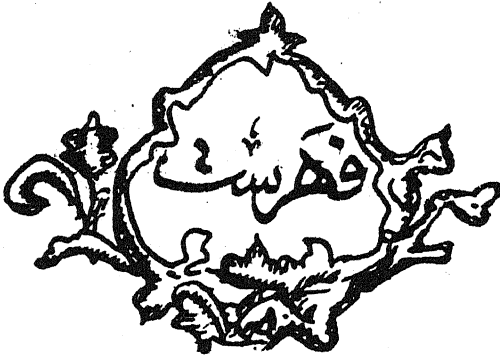
ملنے کے پتے

- خواجہ غلامیہ مکان نمبر ۸۲/۲/۱۹۸/۳-۷ سلاطین مسجد عائشہ یاقوت پورہ حیدر آباد
- اردو کتاب گھر مکان نمبر ۲۱۶-۸-۱۷ باغِ جہاں آرا و یاقوت پورہ حیدر آباد



میں اس مجموعہ کلام صدائے ضمیر
کو اپنے والدین کے اسمائے گرامی سے
معنون کرتا ہوں جن کی دعاؤں نے مجھے
سنوارا اور اس قابل بنایا ہے۔

خواجہ ضحیرؔ



۱۰	ڈاکٹر عقیل ہاشمی	صدائے ضمیر کا اعتبار
۱۶	نظیر علی عدیل	صدائے ضمیر میری نظر میں
۲۱	ڈاکٹر سید عباس تقی	صدائے ضمیر ایک بازگشت
۲۸	الحاج مولانا محمد مظفر علی	تاثرات بر صدائے ضمیر
۳۰	خواجہ ضمیر	عرضِ حال مصنف
۳۳	حمید	مختار دو جہاں ہے تو ربِ قدیر ہے
۳۴	حمید	ہر اک دستِ طلب کا مدعا تو
۳۵	نعت	وہ دل کیا جس کی دھڑکن نام احمد تک نہیں پہنچے
۳۶	نعت	آسان نہیں جائزہ شانِ محمدؐ
۳۷		نذر میر تقی میر

غزلیں

۲۰۸ تا ۲۰۸

۲۰۹

نظیں — قطعات
متفرق اشعار

۲۱۱

۲۱۳

۲۱۵

۲۱۶

۲۱۷

۲۱۸

۲۱۹

۲۲۰

۲۲۱

۲۲۲

۲۲۳

۲۲۴

۲۲۶

۲۲۸

۲۲۹

۲۳۰

چراغ سیاست
کرگاہ ہو گیا ہندوستان میں شامل

اتحاد
محقق گمان چند جہن

ہم سفر

یکتا

تحفہ

شاعری

جشن آزادی

لباسِ چیت

اردو

ندائے وقت

سادگی

نامہ منظوم (برادرِ نبی بنام محمد عبد الکریم قرمقوال صاحبِ ایم سے متعلق)
نظم مسرت کامیابی مصمم (محترمہ قرشاہین بیباک سے) کی بنیاد میں کامیابی موقر پر
عید

عید

۲۳۱

گیت

۲۳۲

کیا تمہیں یاد نہیں

۲۳۳

قطرہ (وزیر اعظم مسٹر راج گاندھی کے تفریحی جلسوں پر یہ قطعہ سنایا گیا)

۲۳۴

اکادی

۲۳۵

قطعات (دختر اول حسرت بانو سلمہا کی پیدائش پر)

۲۳۶

قطعات

۲۳۷



ڈاکٹر عقیل ہاشمی
(ریڈ شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی)

حدائقِ ضمیر کا اعتبار

حکیم نوابہ ضمیمہ صاحب سے میری بڑی دیرینہ شناسائی ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب میں ایم۔ اے (۱۹۷۳) کا طالب علم تھا، وہ اکثر و بیشتر بزمِ حسان کے ماہانہ مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے، اس کے بعد سے شہر میں ہونے والی مختلف محافلِ شعری میں موصوف سے ملاقاتیں رہیں وہ ہمیشہ اس عاجز کے مداح اور قدر وال رہے۔ پچھلے دنوں انہوں نے مجھ سے اپنے اولین شعری انتخاب حدائقِ ضمیر پر اظہارِ رائے کی خواہش کی اور میں کسی طور انکار نہ کر سکا۔ دراصل دنیائے علم و ادب میں یہ وسیعہ عام ہے کہ تصنیف و تالیف خصوصاً شاعری کے باب میں شاعر کے کلام اس کے فکر و نظر پر مقدمہ، پیش لفظ، تعارف و تقریظ کی کوئی نہ کوئی صورت ہو جس سے کتاب اور صاحبِ کتاب کی استداد و قابلیت کے ساتھ ساتھ اس کے علم و فن کے صحیح خد و خال سامنے آسکیں۔

خواجہ ضمیر حیدر آباد کے ان شاعروں میں سے ہیں جن کی شعر گوئی کو کوئی تیسری پینتیس برس سے زیادہ کا عرصہ گزرا ہو اگر وہ چاہتے تو اس دوران اپنے دو تین مجموعے شائع کر دیا سکتے مگر شاعر کے حالات نے اس کی اجازت کب دی کہ وہ "ہزاروں خواہشیں" ایسی کے ہر خواہش کی تکمیل کے لئے سرگرداں رہے۔

ذوقِ فطرت کو بدل یا پھر مری لٹا بدل زندگی دے شاعرِ برباد کی قیمت بدل
نعمتِ آرام سے کچھ درد کی لذت بدل اے بدلنے والے میری فکر کی صورت بدل
ورنہ میری شاعرانہ زندگی مٹ جائے گی

صفحوں کو نین سے زندہ دلی مٹ جائے گی (نظم شاعری)

چنانچہ مدائے ضمیر کا شاعر زندہ دل زندہ ضمیر شاعر ہے۔ پیشے کے لحاظ سے خواجہ ضمیر طبیب ہیں اور وہ یہ پیشہ آج بھی اپنی بے شمار کمزوریوں کے باوجود معتبر سمجھا جاتا ہے ویسے بھی ضمیر صاحب نیک نفس خاموش، بطل ملنار ہیں۔ شاعر کی حیثیت سے انہوں نے ابتداً حیدر آباد کے کہنہ مشق صاحبِ عروض حبیبکم وڈاکٹر استاد سخن سید ثامن علی نیساں سے تلمذ اختیار کیا لیکن جلد ہی استاد نے اصلاح سے بے نیاز کر دیا۔ مزید انہیں اپنے وقت کے مشہور اور اچھے شعرا کی ہمنشینی و ہم جلسی حاصل رہی جس نے ان کے ذوق و شوق کو ممیتر کیا۔ شاعری میں یوں تو وہ کم و بیش سبھی اصناف پر دسترس رکھتے ہیں کیا نظم کی رباعی، قصیدہ ہو یا مرثیہ، حمد و نعت وغیرہ لیکن غزلی گوئی سے زیادہ

رغبت دکھائی دیتی ہے۔ غزل گوئی کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ ہر شاعر غزل
 ہی سے اپنی شہر گوئی کی ابتداء کرتا ہے، عرصہ ہوا غزل نے ہماری تہذیب و تمدن
 کو سنوارنے اور سجانے میں اپنا حقد ادا کیا، میر غالب اور مومن نے اس صنفِ
 سخن کی روایت کو نئی راہوں پر گامزن کرنے کی دانستہ اور شعوری کوشش
 کی۔ جس کی وجہ سے غزل میں رمزیت، معنویت، تصوف و تفکرِ حدت
 و اسلوب کے وہ کرشمے دکھائی دیئے کہ ایک عالم اس سے متاثر ہوئے
 بغیر نہ رہ سکا۔ یہ غزل ہی ہے جس نے حسن و عشق کے ہمراہ رومانیت کی مختلف
 جہتوں کو اجاگر کیا یوں غزل گوئی کے موضوعات محدود نہ رہ سکے اور نہ ہی
 اس کی مقبولیت میں کچھ فرق آیا۔ اس کے ذریعہ انسانیت کے تقاضے، مسز و
 گداز جذبات و احساسات، داخلیت و خارجیت سمجھی کچھ نمایاں ہو گئی جو اب
 سماجی و سیاسی افکار و خیالات پس منظر و پیش منظر کے ساتھ انسانی حیات
 کی ترجمانی کھلائی طرفہ تماشہ بیسویں صدی کے ابتدائی تین چار دہوں میں شہری
 نظریات میں بڑی تبدیلیاں آئیں۔ مولانا حالی کی اصلاحات نے شاعری،
 کا جو رنگ و آہنگ بدلا تھا وہ مزید ترقی پسند تحریک کی وجہ سے تیکھا ہو گیا
 اس جدت طرازی نے غزل گوئی کے رجحانات ہی نہیں بلکہ امکانات کے
 زاویے بھی بدل دیئے اور وہ تقلید کے دائرے سے نکل کر نئی منزلوں کی
 تلاش و جستجو میں مصروف ہو گئی۔ اس مرحلے پر غزل محض سروسے اور خولی خوش
 کرنے والی چیز نہ رہی بلکہ افکار انسانی اور ادکار حیات و ممت سے مملو ہو گئی

اس میں جدت پسندی نیچرل انداز افادیت کا پہلو نمایاں ہو گیا تاہم ان تمام نئے نئے امور کے باوجود بہترے شعراء نے روایت کی پاسداری کو برقرار رکھنے کی سعی وقوف کی ان میں اساتذہ سخن بھی تھے اور ان کے اکثر تلامذہ تھے چنانچہ حیدر آباد کی شاعرانہ فضا میں قدیم و جدید غزل گوئی کا ایک حسین امتزاج نظر آتا ہے جہاں غزل گوئی کا ایک ایک خاص طور طریق رہا جس میں محسوسات اور واردات کی عکاسی ہوگی تو دوسری جانب ترقی پسندی کے تحت ادب کی افادہ کیفیات کو برتا جانے لگا۔ کچھ شعراء ایسے بھی تھے جنہوں نے قدیم طرز انشاء کو برقرار رکھا مگر خیالات و واقعات کی وسعت سے کبھی دامن کش نہ ہوئے انہی شعراء میں خواجہ ضمیر بھی ایک ہیں جنہوں نے اسی ہنج اور اسلوب کو اپنے لیے مناسب ہی نہیں بلکہ احسن جانا ہے

بنارہا ہوں لہو سے غزل کی لوگ پلک ضمیر اہل سخن کو ذرا خبر کر دو !!
سما رہی ہے غزل در غزل کوئی آواز یہ حسن کسی کا میری چشم انتخاب میں ہے

صدائے ضمیر کے مطالعے سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ شاعر نے اپنی طبع موزوں کو شاعری کے عین مطابق ڈھال لیا ہے جس میں تغزل کی اپنی اہمیت وجودت ہوگی جہاں آہنگ احساس اور آہنگ سماغی کی حسین یکجائی نظر آتی ہے اس میں شاعرانہ تحقیق ہے اور تحریک و تاثر بھی، ترنم و توازن کے علاوہ وجد اور سرنوشی کے جذبات تسکین دہا پاتے ہیں مشہور انگریزی شاعر ورڈز ور تھ (WORD WORTH) نے جس چیز کو

STILL SAD MUSIC OF HUMANITY کہہ رہی خصوصیت

ہماری غزل کی آفاقیت اور عنایت کی روح رواں ہے اور شاعر کو دل و دماغ کی گہرائیوں تک پہنچانے کی ذمہ دار۔ خواجہ محمد سرکی غزل گوئی اسی کیفیت سے دوچار ہے ان کے ہاں وحدت خیال نہ ہوتے ہوئے بھی وحدت مزاج اور وحدت فکر کا غفر ضرور ملتا ہے ان کی غزل میں موزونیت الفاظ کے ساتھ ساتھ جذبات روانی اور بے ساختگی نظر آتی ہے اور ان سب زیادہ شاعر کا طرز اسلوب

میں خود اعتمادی کا پہلو نمایاں ہو گا۔

سیخ چمکاؤ دُزار سجاو لوگو
فن کا انعام نہ فنکار کے سر کو ترے
کائنات ہے کہیں سنگ کہیں آگ کہیں ہے
یہ راہ محبت ہے کچھ آسان نہیں ہے
ضمیر اکثر انہیں میں روشنی تقسیم ہوتی ہے
لہو جن کا چراغوں میں کبھی شامل نہیں ہوتا
خواجہ محمد سرکی آگاہ و باخبر شاعر کی حیثیت سے ہمارے روبرو آتے ہیں ان کے
اں زبان و بیان ہے۔ خیال بندی کا طریقہ بھی شبیہ و استعارہ کا تہ کھماہ بن
انسانی احساسات کے اظہار کا قاعدہ اور خوب خوب کی تلاش و جستجو اپنی الہامی
کیفیات کے باد صاف ان کا لب و لہجہ مدہم مدہم سا لگتا ہے ان کے پاس نئے نئے
تجربات کا ادراک نہیں ملتا۔ مگر روایت کی پاسداری کا قرینہ و سلیقہ واضح ہو گا۔
وہ قدیم و جدید قدروں سے واقف صداقت اور موزوں خلوص و انسانیت کے
شاعر ہیں وہ غزل کے مزاج و مرتبہ کو مجروح ہونے نہیں دیتے جبکہ اپنی غزلوں
میں یکجہتی و انہماک طرز استدلال کی روش کو اپناتے ہیں کہیں کہیں لطیف

اور تمثیل استفادہ سے بھی کام لیتے ہیں اور اسی سے وہ انسان اور مسائل حیات و کائنات کو جاگڑ کرنے کی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں انہوں نے طرف و اسلاف کے حالات و واقعات سے صرف نظر کرنا نہیں سیکھا تاہم کے اظہار میں جذباتی رویہ نہیں اپنایا۔

تیرے غم کو لگ کے سینے سے میری تقدیر مسکرائی ہے
آتش غم دل کی روشنی نظر آئی میرے سرخ اشکوں کے ٹوٹے ٹیلوں میں
جو ساتھ رکے بھی تنہائی میں شامل ہو وفاترستی یہی لیے ہمسفر کے لیے

عبادت مختصر: صدائے ضمیر کو ہم یقیناً ایک زندہ ضمیر کی آواز کہہ سکتے ہیں بوقت قاری اور سامع کو چونکا دیگی۔ خواجہ ضمیر پر گو خوش کلام شاعر ہیں۔ دل میں تحت اللفظ شعر پڑھتے ہیں اور خوب پڑھتے ہیں ان کے ہاں زندگی ریں اپنی پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہیں جہاں تلخ و شیریں پست و بلند اور برے ہر طرح کے تجربات و احساسات ملتے ہیں اور شاعر اپنی حقائق کو لسانیہ کے پیرہن میں ظاہر کر دیتا ہے۔ میرا یقین ہے کہ ان کا یہ اولین انتخاب حیدرآباد ہی نہیں بلکہ ملک کے دیگر ادبی حلقوں میں بہ نظر استحسان دیکھا جائیگا۔ صدائے ضمیر کی اس اشاعت پر میں دلی مبارکباد دیتے ہوئے انہی کے اس

پر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں۔

دل میں نظر میں خیال و خواب میں ہے میں کے سمجھوں کہ جلوہ ترا نقاب میں ہے

ڈاکٹر عقیل ہاشمی

(ریڈر شہزادہ عثمانیہ لونیوٹی)

از منزل کنگ کوٹھی {
3-5-780/18/ حیدرآباد اپنی}

صدائے ضمیر میری نظر میں

بیشتر شعراء کے سلسلے میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ ان کے فکری تجربے ہی ایک دوسرے کے مماثل نہیں ہوتے بلکہ اظہار کی ہئیتیں بھی یکساں ہوتی ہیں۔ شاید یہ غزل کی صنف کا جبر ہے جو بہت جلد نئی ترکیبوں، اصطلاحات اور پیکر و بنا کو بھی معمولات کے دائرے میں پہنچا دیتا ہے۔ اس کا ایک اور سبب شاعری کے پس منظر میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر شعراء نے بعض حسّی اور فکری مسائل کے اظہار کو متنوع شاعری کے لئے اساسی درجہ دیکر وہ 'تہنائی'، مستقبل کا خوف، گھر اور معاشرے کے بکھرنے کا احساس ہمارے عہد کے مسائل ہیں اور ان کے بیشتر پہلو ایک جیسے ہیں لہذا حالات کے ردِ عمل میں بھی کسی قدر یکسانیت کا ہونا ناگزیر ہے۔ شاعری صرف بیان واقعہ کا نام نہیں کیونکہ یہ کام اخباروں کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے یہاں ضرورت اجتماعی تجزیوں یا عام تہذیبی مسائل کو اپنے ذاتی اور انفرادی رویے سے سمیٹ کر کرنے کی اور اپنے تخلیقی سفر میں اظہار اور ہیئت کی نئی

سموں تک پہنچنے کی ہے۔ مسائل اور موضوعات کے تعارف کے ہزاروں وسیلے ہیں لیکن سچی تخلیقی استعداد اپنے ہی باطن کی قوت اور شعور کی برکت و بھرت کا نتیجہ ہوتی ہے اس لیے یہ دولت ہنر کیاب ہے۔

جنابِ نوابؒ کا خضامین کا امتیاز یہ ہے کہ وہ صاف سحرے اور منظم طریقے سے ان کے تجربات کے اظہار کا ہنر جانتے ہیں زبان و بیان کے رموز سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ ان پر قادر بھی ہیں جن کلمے ساختہ لہجہ اور نکیلہاں ابھی غزلوں کا مذاق رکھنے والوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

شاعری بہ حیثیت مجموعی احساس کی زبان ہے جس کو فکر کی گہرائی، طرزِ بیان کے تنوع، ذاتی علامت اور شعر کی صحت مند روایات سے آراستہ کیا جائے تو ابلاغ میں پوری طرح کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ نوابؒ کا خضامین ابلاغ کی ضرورت کے اس طرح قائل ہیں۔

اے بے خبر حقیقت کون دمکال ہیں ہم
ہر شعبہ حیات کی روح رواں ہیں ہم
بس اک صمیم رہے ہر سرمایہ حیات
لے چل بچا کے گردشِ شام و سحر تجھے

انہوں نے اس زمانے اور اس ماحول میں آنکھیں کھولیں جس زمانے اور ماحول میں صنفِ غزل تفریحِ طبع اور کربِ بازی کا شکار ہو چکی تھی اور اس سے غزل کے وہ اوصاف جو غزل کو جانِ سخن بنائے رکھتے تھے ایک ایک

کر کے رخصت ہوتے جا رہے تھے ایسے زمانے اور ماحول کا اثر ان کی شاعری پر بھی پڑا۔ لیکن یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی احساسِ فکر کو زندہ اور تابناک رکھنے کے لئے بڑی کاوش اور عرق ریزی کا ثبوت دیا ہے۔

اے ضمیر آواز تیری رہبر منزلِ بنی

جب کوئی آیا مسافر راستہ بھٹکا ہوا

تیرے غم کو لگا کے سینے سے

میری تقدیر مسکرائی ہے

شاعری کی آفاقیت کی راہ میں مذہبی ادارک اور شعور کی موجودگی ایک

تجدیدی عنصر ہے۔ بہ الفاظ دیگر اچھی اور بڑی شاعری غیر مذہبی مومنوعات ہی کی

بنیاد پر وجود میں آ سکتی ہے اس کی بھی کئی مثالیں ان کے پاس موجود ہیں۔

حسن ہر تعمیر کا قائم ہے میری ذات میں

میں وہ مٹی ہوں مجھے چھانٹو تو کیا ملتا ہے

ضمیر اکثر انہیں میں روشنی تقسیم ہوتی ہے

لہو جن کا چراغوں میں کبھی شال نہیں ہوتا

آتشِ غم دل کی روشنی نظر آتی ہے

میرے سرخ اشکوں کے ٹوٹے ٹکڑوں میں

خواجہ کا ضمیر شاعری کرتے ہوئے اب عمر کی اس منزل میں ہیں

جو فکر کی پختگی اور زبان اور بیان کو سادگی عطا کرتی ہے۔ سیدھے سادھے اور

عام لفظوں میں کوئی بات کہی جائے تو وہ سننے والوں اور پڑھنے والوں کو چونکا دیتی ہے۔

لڑکھڑاتے ہیں جہاں لوگ محبت میں ضمیر
ہم وہاں بھی ہیں قدم اپنے جملنے والے
زلزلے، طوفان، آندھی، گردشیں
اک تری چشم غضب کا نام ہے

شاعری کا یہ دور ادوار گزشتہ کے مقابلے میں بڑا نازک ہے اس کے دو اسباب ہیں۔ ایک تو شعراء کی بہتات ہے دوسرے مجموعہ ہائے کلام کی بہ کثرت اشاعت ہے۔ مجموعہ ہائے کلام کی اشاعت کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن اس کے لئے کچھ وقت اور ماحول مقرر ہیں۔ یعنی شعراء جب کہنہ مشق ہو جائیں اور ان کے پاس خاطر خواہ ذخیرہ کلام جمع ہو جائے تو مجموعہ ہائے کلام کی اشاعت یقیناً ہونی چاہیئے اس کے برخلاف دیکھنے میں یہ آہل ہے کہ ایسے شعراء جن کی مشق سخن چار پانچ سال کی بھی نہیں ہوتی۔ ساٹھ ستر غزلوں پر مشتمل اپنے مجموعہ ہائے کلام چھپوا کر میدان میں کود پڑتے ہیں نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ ان کی ناکامی نہیں ہوتی اور وہ کتب فروشوں کی دوکانوں پر شوکیس کی زینت بنے ہوئے رہتے ہیں۔ دوکانوں پر کتابیں خریدنے کے لئے آنے والے نظر اٹھا کر تنک انہیں نہیں دیکھتے۔ مجموعہ ہائے کلام کا یہ وہ حسرت ناک پہلو ہے جس کا احساس بہت جلد متعلقہ شعراء کو ہو جاتا ہے اور وہ دیکھ کی غذا بننے

سے پہلے ان کو اپنے دوست احباب میں مفت تقسیم کر دیتے ہیں۔ میرے خیال میں جناب خواجہ اضمیمہ کے مجموعہ کلام "حصہ ائمہ ضمیمہ" کے ساتھ ایسا حادثہ پیش نہیں آئے گا۔ کیونکہ ایک تو وہ ادبی حلقوں میں کافی مشہور و مقبول ہیں۔ دوسرا ان کی مدتِ شعر گوئی کی صراحت کے ساتھ ان کے مجموعہ کلام کی اشاعت کا اعلان جب اخبارات میں شائع ہوگا تو شائقینِ شعر و ادب یقیناً اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور اس کو خرید کر پڑھیں گے۔

میں آخر میں انہیں "حصہ ائمہ ضمیمہ" کی اشاعت اور اس کو ہر باضمیمہ تک پہنچانے کی کوشش پر مبارکباد دیتے ہوئے اپنی نیک تمناؤں وابستہ کرتا ہوں۔

(نظیر علی عیال)

بیتِ انظیر
۱۹۰-۲-۲۳
مغل پورہ حیدر آباد اپنی

مدائے ضمیر - ایک بازگشت

خواجہ محمد ضمیر صاحب حیدر آباد کے ان گنے بے شمار
 میں شمار ہوتے ہیں، جن کا کلام محض مشاعروں کے لئے وقف نہیں ہوتا
 بلکہ انڈوپاک موثر رسالوں کی زینت بھی بنتا ہے۔ ضمیر صاحب کا کلام
 سننے سے ایک خاص قسم کی مسرت ہوتی ہے کہ وہ بیک وقت زبان کے
 بھی شاعر ہیں اور بیان کے بھی، زبان کی مٹھاس اور ہی لطف دیتی ہے
 تو لفظوں کا انتخاب اور ہی طرح محظوظ کرتا ہے۔ وہ یہ خوب جانتے
 ہیں کہ کس مضمون کو کس تہائیے کہنا چاہیے۔ کثرتِ سلاو اور قوتِ مشاہدہ نے
 ان کی شاعری کو جلا بخشی ہے۔ فطری صلاحیت اور خدا داد قابلیت ہے کہ
 وہ بے ترکان کہتے چلے جاتے ہیں، غزل، نظم، رباعی، قطعات
 مثنوی، مستزاد، ترجیع، بند، ترکیب، بند، مسدس، مخمس، شاعر
 کی وہ کون سی وادی ہے جہاں سے ضمیر نے آواز نہ دی ہو۔

ان کی شاعری ان کے جذبات کے آئینہ دار ہونے کے علاوہ ایک دنیا کے سب دوس اور وجہ موعظت بھی قرار پاتی ہے۔

خواجہ ضمیر صاحب پیشہ کے اعتبار سے طبیب ہیں نفسیات کے علم نے انہیں اور بھی فیاصل بنا دیا ہے۔ طبع انسانی کے وہ پارک یہی نہیں معالج بھی ہیں۔ جسمانی امراض کے علاوہ روحانی قلبی اور اخلاقی امراض بھی دور کرنے میں اپنی خدمات پیش کی ہیں اور بھلہ شد کا میاب رہے ہیں 'فی البدیہہ' شعر کہنا جناب ضمیر کا خاصہ ہے اور یہی چیز انہیں ہم عصر شعرا میں ممتاز گردانتی ہے چنانچہ آل انڈیا ریڈیو سے جب فی البدیہہ مشاعرہ کا انعقاد عمل میں آیا تو جوہر نمائی کا گویا موقع ہاتھ لگا۔ شعرا نے اپنے کمال کا مظاہرہ کیا۔ خواجہ ضمیر صاحب نے فی البدیہہ مرصع غزل کہہ کر سامعین کو متاثر کیا اور شعرا سے داد تحسین حاصل کی۔ فی البدیہہ شعر کہنا انتہائی ذہانت اور قوت گویائی کا متقاضی ہوتا ہے اور ضمیر میں یہ دونوں چیزیں ودیعت ہیں۔

صاحبانِ ذوق کو یاد ہو گا کہ ایک مشاعرہ میں وہ معتمد تھے اور 'شاعری' میں مستعدی فرما رہے تھے یعنی جب شاعر کو زحمتِ سخن دیتے تو ایک شعر فی البدیہہ جس میں شاعر مذکور کا نام ہوتا 'تذکرے' اس سے ایک خاص قسم کی فضا بن گئی تھی۔

خواجہ ضمیر کم و بیش چالیس سال سے شعر کہہ رہے ہیں۔

اور اب تک انہوں نے کسی مجھوتے کہہ ڈالے ہیں، تاہم شکر ہے کہ اب ان کا ایک انتخاب شائع ہونے کی تہنید باندھ رہا ہے۔ ضمیر کی صلاحیتیں محض شاعری تک محدود نہیں بلکہ وہ لائقِ نشر بھی ہیں مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور موضوع کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش کی ہے جب انہوں نے میدانِ صحافت میں قدم رکھا تو وہ اس جولانِ گاہ کے بھی مردِ قرار پائے اور "جذباتِ ضمیر" کے سرنامے سے ایک ہفتہ وار اخبار نکالا جو ایک دنیا کے لئے مہر و خاشا ثابت ہوتا لیکن حکومت کی عدم سرپرستی اور اردو والوں کی عدم دلیگی اور وسائل کی عدم فراہمی کے سبب بند ہو گیا۔

ضمیر نے شاعری اور طبابت اپنے والد بزرگوار حکیم میر حیدر صاحب رحمت مرحوم سابق مہتمم شفا خانہ نظامیہ سے ورثہ میں پائی ہے۔ پہلے پہل انہوں نے اپنا کلام حکیم ثامن علی صاحب نیساں کو دکھایا جو اپنے وقت کے استاد تھے۔ زائل بور محض اپنے بل پر شاعری کرنے لگے۔ سماع کی اکثر محفلوں میں قوال حضرات ضمیر کا کلام سنا کر دادِ تحسین و انعام کثیر پاتے ہیں اور مختلف غزل کو فنکار ساز پر ان کا کلام پیش کرتے ہیں۔

ضمیر فنِ عروض کی پابندی کو شاعری کی بنیاد مقرر کرتے ہیں اور جو شاعری کے مضامین عروض سے میسر ہوتی ہے اسے شاعری نہیں سمجھتے اچھے شعروں کی وہ فراخ دلی سے داد دیتے ہیں اور تحسین میں خصائص

انہیں برستے۔ ضحاک صاحب کو میر و غالب کے بے شمار اشعار ازبر ہیں۔ اساتذہ کے بیشتر کلام کے وہ گھنٹوں محفل کو گرم رکھ سکتے ہیں۔ یہ ان کے اعلیٰ شعری مذاق پر دلالت ہے۔ ضحاک نے قوم و ملت کا درد پایا ہے۔ قومی یک جہتی کے وہ علمبردار ہیں، یگانگت اور آشتی کے وہ شیدائیں۔ صلح پسند طبیعت پائی ہے۔ اختلاف و تنقید ان کے مزاج کی چیزیں نہیں۔ شہرت کی انہیں چاہ ہے نہ مقبولیت کی انہیں آرزو بلکہ وہ شہرت کو ایک طرح کی رسوائی سمجھتے ہیں تب ہی تو کہے ہیں۔

ہے ضحاک اپنے کو ہرگز نہ نمایاں کرنا
شہرت عام بھی اک طرح کی رسوائی ہے

حالات سے سمجھوتہ کرنے اور مصلحت پسندی کو وہ ناپسند کرتے ہیں وہ شاعر ہی نہیں مکتبہ بھی ہیں، حق گوئی و بے باکی ان کے کلام کا طرہ امتیاز ہے۔ انہوں نے جو سوچا بعینہً لکھ دیا۔ تردد و تکلیف سے وہ بری ہیں، یہاں ان کی ایک نظم کے چند مصرعے پیش کیے جاتے ہیں جس میں فیشن پرستی کو ہدف ملامت بنایا ہے۔

لباس نو کے پردے میں متاعِ حسنِ عربیہ ہے نئے فیشن کی بے باکی پر چشمِ شرم حیراں ہے
لکڑی ہر لچک گویا حیاتِ نو کا عنوان ہے ترقی کی یہ حالت دیکھ کے تہذیب گریاں ہے

ہیں چٹا کوئی حسنِ تقدسِ حسنِ خواباں پر
ہے دلِ بزمِ نائی جبرہ تہذیبِ انساں پر

زبانِ اردو پر یوں تو کئی شعراء نے طبع آزمائی کی ہے مگر ضحیٰ کی آواز
اور ہی لطف رکھتی ہے اس نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

اردو

تو گلشنِ نظر میں ادب کی بہار ہے فکر و شعور و علم کی سرمایہ دار ہے
تیری جیسے حسنِ غزل آشکار ہے دیکھئے علم میں تو بڑی باوقار ہے
روشن تجھی سے غالب و چکبست کا ہے نام
دنیا میں سر بلند ہے اردو تیرا مقام

ضحیٰ غزل کے شاعر، سی۔ اور غزل میں کلاسیکیت کے ساتھ
ساتھ نئے اسلوب اور نئے لہجے کو اپنی پہچان کا وسیلہ بنایا ہے، پامال
راہوں میں بھی نئے گل کھلاتے ہیں، فکر اندازِ بیاں اور انتخابِ لفظیات
نے ان کی غزل کو ایک شان بخشی ہے وہ پرانی قدروں کی ایک لخت پر
بھی نہیں ہوتے اور نئے دور سے دامن کش بھی نہیں، اس طرح کے
امتزاز نے ان کی غزل کو دوسرے شعراء سے ممتاز کیا ہے میں اپنی
بات کی دلات میں یہ چند شقارین کی نذر کرتا ہوں۔

خلوصِ دل سے ملو دوستو کبھی مجھ سے
میں ایک شمع ہوں لے جاؤ روشنی مجھ سے

میں نے سینہ سے لگایا اس کو بکھڑا دیتو
حوزِ ملنے میں رملنے کا ہے ٹھکرایا ہوا

حیدر آباد کن میں اب بھی اردو کی قسم
پرچمِ شہر و سخن ہاں سدا سرائیا ہوا

نہ ملے گا کوئی اشکوں کے خریداروں میں
لے کے جاؤ نہ یہ موتی کبھی بازاروں میں

دہ ہزاروں میں بھی مشکل سے نظر آتے ہیں
نامِ جن کا انہیں چھپتا کبھی اخباروں میں

رہبری کا ان کو دعویٰ حیف ہے صریح ہے
دو قدم بھی اپنے قدموں پر جو چل سکے ہیں

تجھ کو اہلِ اہمن نے اجنبی سمجھا ضمیر
ردِ محفل تھا کبھی بیکارِ محفل ہے آج

پڑھنے کا فن ہے تجھ میں تو جہر کو پڑھ کر
آواز دل کے چہرے کی تحریر بن گئی

میں اپنے بزرگ دوست جناب خواجہ صاحب
کی خدمت میں ان کی پہلو نہٹھی تصنیف کی اشاعت تہ دل سے ہدیہ تبریک
پیش کرتا ہوں اور خدائے عزوجل سے ملتی ہوں۔
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے۔

ڈاکٹر سید عباس متقی غفرلہ

17.3.194/13
شیر بنگر۔ یاقوت پورہ
حیدرآباد۔ ۲۳



الحاج مولانا محمد مظفر علی صاحب مدیر صحیفہ
(صدر آل آندھرا اردو نوٹس پیپرس فیلڈریشن)

تاثرات پر صدائے ضمیر

”صدائے ضمیر“ کے مصنف جناب حکیم خواجہ ضمیر صاحب سے میری زاید از (۲۵) سال سے شناسائی ہے، یہ مولوی حکیم میر حیدر صاحب رحمت مہتمم شفا خانہ کے فرزند ہیں، مرحوم حکیم صاحب نہ صرف ماہر طبیب بلکہ نامور ادیب و شاعر گذرے ہیں، جناب حکیم خواجہ ضمیر کو علم و ادب و شعر و سخن ورثہ میں ملا ہے موصوف ہر صنف سخن میں شعر کہنے کی کامل صلاحیت رکھتے ہیں، صحیفہ بلڈنگ میں اردو کانفرنس منعقد ہوئی تھی، محفل شعرو ادب میں مشہور زمانہ شاعر ادیب پروفیسر ڈاکٹر شاذ ٹکنٹ نے صدارت فرمائی تھی، اس کانفرنس میں مشاہیر حیدر آباد کے علاوہ انجمن ترقی اردو کے سکریٹری جناب سر نیواس لاہوٹی بھی شریک ہوئے تھے، جناب حکیم خواجہ ضمیر نے کلام سنا کر خوب داد و تحسین حاصل کیا تھا اور صدر محفل ڈاکٹر شاذ ٹکنٹ نے ان کے کلام کی خوبیوں پر روشنی ڈالی تھی۔

ہرم اکبر جس کی بنیاد والد بزرگوار بابائے صحافت، محمد علی ملت
حضرت مولانا مولوی محمد اکبر علی صاحب مدیر صحیفہ روزانہ نے ۱۹۳۱ء میں ڈالی تھی، اب کے
(۱۳) سال بعد حضرت ۳۰ مارچ ۱۹۶۳ء کو اس جہاں سے کوچ فرمائے۔ ہرج ایک ہرم

قائم و جاری ہے، اس بزم کے زیر اہتمام ہر ماہ شاعرے منعقد ہوتے ہیں جناب خواجہ ضمیر بھی برابر حصہ لیتے رہتے ہیں ایک دھاقبل یہ بزم کے معتبر بھی رہیں

غزل ہو یا نظم، سلام ہو یا منقبت و نعت یا حمد، رباعیا ہوں، قطعات، جناب خواجہ ضمیر کا اسلوب بیان خصوصیت کا حامل محسوس ہوا اور سامعین پر اثر انداز پایا گیا۔ ان کے اشعار میں نہ صرف شوکتِ لفظی ہوتی ہے بلکہ دل کو نہوہ لینے والی کیفیت بھی سامعین کے دل و دماغ پر اشعار کا کیف دیر تک باقی رہتا ہے۔

موصوف کا کلام میری نظر سے گذرا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک ایک کتاب کا مضمون اپنے میں سمو لیا ہے، یہ بھی حقیقت ہے کہ صاحب تصنیف کا کلام نہ صرف مقامی اخبارات و رسائل میں شائع ہوا ہے بلکہ بیرون ریاست مشہور جرائد و اخبارات نے کلام شائع کر کے سراہا ہے، یہ کہا جائے تو نا درست نہ ہوگا جناب ضمیر صاحب بے پناہ صلاحیت رکھنے کے باوجود تہی دست رہے، بہت پہلے ہی وہ اپنے کلام کو چھپوانا چاہتے تھے مگر ایسا نہ ہو سکا، اب بمشکل اس کو زیورِ طباعت سے آراستہ کر سکے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ قدر دان اس مجموعہ کلام کی قدر و منزلت فرمائیں گے۔

پیش نگاہ خدمتِ اردو زبان رہی

ان کا کلام طالبِ انعام کیوں رہے (منفرد)

محمد مظفر علی
ڈیرہ صحیفہ

صحیفہ بلندنگ، غنیم پورہ
چند آباد، ندھرا پریش

یہ عرضِ حال میرا صدائے ضمیر ہے یعنی عطاے رحمت ربِ قدیر ہے

خدا کا شکر ہے کہ آج میرا پہلا شعری مجموعہ کلام بنام "صدائے ضمیر" ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں، میرا شعری سفر تقریباً چالیس سال سے جاری ہو رہا ہے لیکن قارئین حضرات کی خدمت میں یہ میرا پہلا شعری مجموعہ کلام ہے۔ مخلصانِ فکر و نظر و پرستارانِ شعر و ادب کے ذوقِ سلیم کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ان نامساعد حالات کے باوجود "صدائے ضمیر" اردو ایڈیٹری حکومتِ آندھرا پردیش کی اعانت سے پیش کر رہا ہوں۔

شاعری کیا ہے، تخلیقِ حقیقی اور ذاتی کہ وہ کادش کا نام ہے، حیات و موت کے مختلف پہلوؤں کو تجربات و مشاہدات کی روشنی میں اجاگر کرنا اور بامقصد شعر کہنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔

مجھے بید حیرت ہوتی ہے اس بات پر کہ بعض شعراء شاعری کی کثرت یعنی بسیار گوئی و مجموعوں کی اشاعت سے اپنے کلام پر اتارتے ہیں، اس لیے کہ انہیں قدیم فارسی و اردو اساتذہ کے کلام سے عدم واقفیت ہے۔ اساتذہ نے زبان کی لطافت و بیان کی نزاکت کے ساتھ ساتھ قادر الکلامی کا جو ثبوت دیا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ میں ان کے آگے اپنے آپ کو کسی قابل نہیں سمجھتا بلکہ

یہ کہوں تو بے جا نہ ہو گا کہ گردِ پا بھی کہلانے کے لائق نہیں ہوں۔

(۳۵) سال قبل میرے استاد محترم حکیم وڈا کر میر ثامن علی نیساں مرحوم

کی سرپرستی میں پہلے پہل میں نے مشاعروں میں کلام سنانا شروع کیا تھا۔

میری شاعری میرے لطیف احساسات و جذبات کی عکاسی ہے میری شاعری میرے ٹوٹے ہوئے دل کی ترجمانی ہے۔ میں اس بات کو قارئین تک پہنچانا لانی سمجھتا ہوں کہ عہدِ حاضر کے نقاضوں کو اور زندگی کے مسائل کو اور سوچ و فکر کے بدلتے ہوئے زاویوں کو جب عمدگی سے پیش کرنا چاہتا ہوں تو خیالات آتش فشاں کی طرح اُبھنے لگتے ہیں مگر علم کی کم مائیگی مانع ہو جاتی ہے۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کے کرم نے شاعرانہ فطرت عطا کی ہے اور خصوصاً بھی ودیعت فرمائی ہے۔ جس کی بناء پر میں ایک شاعر کہلا رہا ہوں میں نے اس طویل شعری سفر میں اپنے آپ کو کسی گردِ پے سے وابستہ نہیں رکھا اور نہ ہی کسی کو اپنے سے جدا سمجھا میں نے ہمیشہ اپنے سے سنیو شعراء کرام کا ہتھ دل احترام کیا ہے اور نوجوان شعراء کی کافی حوصلہ افزائی کی ہے، میں جانتا ہوں کہ ہر شاعر اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق شعر کہتا ہے مگر جب اللہ تعالیٰ کا عطا ہو جاتا ہے تو مبتدی بھی منہتی سے پڑھ چڑھ کر شعر کہ لیتا ہے، اس پر کسی کی اجارہ داری اہم ہے، ایسی بہت سی مثالیں دنیا کے ادب میں موجود ہیں میری شاعری محض تفریح کا سامان نہیں بلکہ حقیقت پسندی، ان رواداری، بنی نوع ان کی ہمدردی، خلوص فکر، عظمتِ حیات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس بات سے قارئین کرام ہرگز ہرگز یہ مطلب

نہ لیں میں احساسِ برتری کا شکار ہو گیا ہوں میں نے اپنا سطحِ نظر عرض
کیا ہے۔ اگو میں اپنے معاصرین کا تذکرہ نہ کروں تو یہ ادبی خیانت
متصور ہو گی۔ مگر میرے اجاب بالخصوص شعراءِ برادری کا حلقہ
اتنا وسیع ہے کہ میں فرداً فرداً نام لکھوں تو فہرست کافی طویل ہو جائے گی
حضرت شیخہ احمدہ رحمہ اللہ محمد حمزہ المحسنی صاحب ساجد بندہ نوازی (صحافی)
نے "صدائے ضمیر" کی ترتیب و اشاعت کے سلسلہ میں کافی تعاون فرمایا ہے
جس کا میں شکر گزار ہوں۔

امید ہے کہ قارئین "صدائے ضمیر" پر ضرور کان دھریں گے
اور اس جذبہ سے ضرور سرشار ہوں گے۔ "صدائے ضمیر" حق کی آواز ہے
مجھے یقین کامل ہے کہ یہ آنے والی نسل کے لئے مشعلِ راہِ شعرو سخن ثابت
ہو گی، عالمِ جہدِ مسلسل میں عصری آگہی کا شعور پیدا کرنے کی حتی المقدور
کوشش تو کی ہے مگر اس کی کامیابی قارئین پر منحصر ہے۔

خلوصِ دل سے ملو دوستو کبھی مجھ سے
میں ایک شمع ہوں بے جا و روشنی تجھ سے

خواجہ ضحیر

حَمْدِ بَارِئِ تَعَالٰی

مختارِ دو جہاں ہے تُو ربِّ قَدِیر ہے
بندہ ترا حقیر و فقیر و ضعیف ہے

تُو افضل ہو جاے جس پر خدایا	وہ قطر بنے اک سمندر خدایا
تُو امثال کوئی نہ ہم سر خدایا	تُو اعلیٰ تو بہتر تو بڑھ کر خدایا
کہیں جسز کہیں کُل ہے منظر خدایا	نہ سمجھا، سمجھ میں بھی آ کر خدایا
ہم ایمان لانے میں تجھ پر خدایا	محمدؐ کے کلمے کو پڑھ کر خدایا
عُدو کہہ نہ دیں ہم کو محتاج یا رب	کو کم چاہیے تیرا ہم پر خدایا
سوا تیرے دَر کے کہاں جائے بندہ	نہیں کوئی بھی تجھ سے بڑھ کر خدایا
تری حمد کیا کر سکے کوئی بندہ	ہے تیرا آن تیرا آشنا کر خدایا
یہ فرشتے زمین ہو کہ عرش بریں ہو	یہاں پر خدایا دہاں پر خدایا
تری شان یکیتا، تری ذات یکیتا	تُو بے رنگ ہے رنگ بن کر خدایا
تُو کافی تُو شافی تُو قادر تُو ناظر	حد عقل میں آے کیوں کر خدایا
تُو اول تُو آخر تُو ظاہر تُو باطن	ہر اک چاٹو ہی تُو ہے یک سر خدایا

نبیؐ کی محبت رہے میرے دل میں
ضمیمہ اس سے ہو گا منور خدایا

حمد پاک

ہر اک دستِ طلبِ کامدعا تو
ہے حاجت مند کا حاجت روا تو

تری اس شانِ یکتا کے صدقے	ہر اک میں رہ کے بھی سب سے جدا تو
ہماری ابتدا کی انتہا کیا	ہماری ابتدا تو انتہا تو
تقدیر میں تجھے کس طرح لائیں	حد اور اک سے ہے ماورا تو
تجھے بھولیں تو بھولیں کس طرح ہم	ہمارا سب ہی کچھ ہے اے خدا تو
ترے محتاج ہیں دونوں ہی عالم	الہی مالکِ ارض و سما تو
صدائے بے صدا کو سننے والے	کبھی سن لے مرے دل کی صدا تو
بنظر والوں نے دیکھا ہے ہمیشہ	ہر اک زرہ میں ہے جلوہ نما تو

ضمیر بے نوا کی التجا ہے
بڑھا اس کی طرف دستِ عطا تو

نعت شریف

وہ دل کیا جس کی دھڑکن تادمِ احمد تک نہیں پہنچے
نظروہ کیا جو اس نورِ مجسّد تک نہیں پہنچے

بہاریں خلد کی اس کے مقدر میں نہیں ہوتیں
نبیؐ تو پھر نبیؐ ہیں جاں نثاروں کی یہ عظمت ہے
حجت ہی نہیں ہے جن کے دل میں آلِ اطہر کی
محمدؐ تک پہنچنا ہی خدا تک ہے پہنچ جانا
نہ ہو حُجّت نبیؐ تو علم ہو گا حَسْرَت بے معنی
تجلی کا وہ عالم میں فقط وحدت کی کثرت ہے
نبیؐ کا نورِ باطن دیکھنے کی تاب کس میں ہے
شبِ امرئی قدم کو چوم کر یہ عرش کہتا تھا
مہِ وانم نے کی ہے جبہ سائی مُدّتوں در پر
ادبِ ذکر کر آرام گاہِ سرودہ دیا کا
نبیؐ کی شان کو یہ فرش والے کس طرح سمجھیں
مقاماتِ محمدؐ مصطفیٰ کو کیا وہ دیکھیں گے

دلیلہ گر کسی کا سبز گنبد تک نہیں پہنچے
اٹھے طوفانِ لیکن شمعِ مرقّد تک نہیں پہنچے
برادِ عویٰ ہے وہ فیضِ محمدؐ تک نہیں پہنچے
وہ کیا سمجھیں گے جو ایان کی حد تک نہیں پہنچے
پڑھے قرآن مگر قرآن کے مقصد تک نہیں پہنچے
وہ کیا دیکھیں گے جو خود شوقِ بیدار تک نہیں پہنچے
نگاہِ فکر جب جسمِ مقیّد تک نہیں پہنچے
محمدؐ کے سوا کوئی مری حد تک نہیں پہنچے
مگر باوصف اس کے قربِ احمد تک نہیں پہنچے
یہاں رُوحِ الامینؑ دہلیز کی حد تک نہیں پہنچے
جب اہلِ عرشِ خود اس نور کے قد تک نہیں پہنچے
غلامانِ محمدؐ کی ابھی حد تک نہیں پہنچے

ادھر جلوہ، ادھر پردہ، یہاں واصل، وہاں شامل
ضمیر اس پر بھی ہم میمِ مشدّد تک نہیں پہنچے

نعت شریف

آسان نہیں جائزہ شانِ محمد
سمجھو تو مقاماتِ غلامانِ محمد

خورشیدِ قیامت سے ملائے گامہ نظریں	جو ذرہ ہو وابستہ دامانِ محمد
ایمان نے بنایا ہے دھوا اپنے لہو سے	ہے آلِ نبیؐ روحِ گلستانِ محمد
ملتی ہے حیاتِ ابدی اس کو ہمیں سے	ہو تلے جہاں کوئی بھی قربانِ محمد
ثابت ہے پس نظرِ لولاک لہما میں	ہے النفسِ رآفاق پہ احابِ محمد
معراج میں چومے قدمِ عرشِ بریں نے	اللہ رے اللہ رے یہ شانِ محمد
ایمان مرا احمد مختار کا صدقہ	توحید کی اجر الٰہی فیضانِ محمد

کہجئے نہ ضمیرِ آپ کچھ اندیشہٴ محشر
تھامے ہوئے رہیے ہاں دامانِ محمد

نذر میر تقی میر

یوں تو یکے ہزاروں اہل سخن

تیری طرزِ بیاں نہیں ملتی

تیری غزلوں میں جو بیاں ہے نادر

وہ کسی کو زبان نہیں ملتی

غزلیں



بے نقاظ

سوکھ کر گل اگر کھلا ہوگا

اہل دل کا لہو ملا ہوگا

دردِ دل کی دہی دوا ہو	دردِ دل سے اگر سوا ہوگا
حاصلہ اس کا حوصلہ ہو	مسکرا کر الم سپا ہوگا
حیدرِ ادراک سے سوا ہو	اگر احساسِ روح کا ہوگا
ہم کو اس کا ہی آسرا ہو	وہ ہمارا ہے وہ ہمارا ہے
اس کا ہی دل کو آسرا ہو	ورد اللہ کا کمر و ہر دم
دل وہ دراصل کام کا ہو	گر ہو احساسِ سارے عالم کا
ہم کو کس کس کا واسطہ ہو	دردِ دل آگ اور محسوس
درسِ علم و عمل ہو اپنا	ہنکا ہنکا ہے گھر کا گھر سارا

اس کی آمد اگر ادھر ہوگی

سوکھا سوکھا ہوا ہوا ہوگا



ذوقافیت

ہر سانس کر رہی ہے اقرار زندگی کا
مُرتے ہیں پھر بھی نادل انکار بندگی کا

ہم نے کہاں کیلے اظہار تشنگی کا	ساقی ہے ہم سے باقی معیار میکشی کا
ہم نے سجا لیا ہے دربار عاشقی کا	کچھ درد ہے کچھ آنسو کچھ زخم ہیں کچھ آہیں
تم ذکر چھڑ دینا اک بار دوستی کا	کھل جائے گی حقیقت اپنا ہے یا پرایا
ہے دوست حسن تیرا شہکار دل کی	دیکھا ہے جس نے تجھ کو دیوانہ ہو گیا ہے
دیدار ہے تمہارا دیدار چاندنی کا	تاریک زندگی میں تم چاند بن کے آؤ
دروازہ کھٹکھٹ کر اک بار زندگی کا	لہو خود سے ملیے پچانے لگا خود کو

سینچا ہوسے اکثر ہم نے ضمیر جس کو
شاداب ہو گیا وہ گلزار شاعری کا



اس طرح کچھ ہم ان کی نظر سے گذر گئے
جیسے کہ راہِ برق و شرر سے گذر گئے

کیا جانے کیا گذر گئی اربابِ عشق پر
احساسِ دورِ شام و سحر سے گذر گئے

اللہ کیا اُمیدوں کے طوقاں کا زور تھا
دو اشکِ میرے دیدہ تر سے گذر گئے

اے تلخیِ حیات تر سے نشترِ الم
دل میں جگہ بنا کے جگر سے گذر گئے

پاسِ دُعا ہے شکوہِ احساس کیا کریں
بادلِ ستم کے سینکڑوں سر سے گذر گئے

کیا ذکرِ دوست کا کوئی دشمن نہیں ملی
ایسی بھی ایک راہِ گذر سے گذر گئے

کس درجہ پہل ہو گئی عزم و عمل کی راہ
جس وقت محوِ راہِ سفر سے گذر گئے

اچھا ہوا جن میں نشیمن نہ بن سکا
خوفِ نگاہِ برق و شرر سے گذر گئے

اب غم ہے کس کو گردشِ دورانِ اے فضا
جب حادثاتِ شام و سحر سے گذر گئے



قدم قدم پہ ہیں کچھ خار رہ گزر گئے لئے
خوش نصیب سہولت تو ہے سفر کے لئے

تجلیوں کی تمنا تو عام ہے لیکن
شعورِ دید بھی لازم ہے کچھ نظر کے لئے

سرنیاز جھکانا تو سب کو آتا ہے
جبینِ دل کی ضرورت ہے سنگِ در کے لئے

جو ساتھ رہ کے بھی تنہائی میں نہ حائل ہو
وفا ترستی رہی ایسے ہم سفر کے لئے

یہ کائنات طلسماتِ ہست و بود ہے
وجود رکھتا ہے ہر ذرہ دیدور کے لئے

سحر ہوئی تو درو بامِ اجنبی ہٹ کر
لڑے تھے ہم کئی راتوں سے جس بحر کے لئے

چلیں جھکے تو اٹھے نقشِ آستانِ لکر
اک ایسا سجدہ ہی کافی ہے عمر بھر کے لئے

ضمیر درد کو کیوں میر دل کی یاوائی
ربانہ جب کوئی دامن بھی چشمِ تر کے لئے



ہیاسطرح آب بر اُبھرے ہوئے جباب کئی
نرمپ رہے نہ ہوں دریا میں پہنچے و تاب کئی

بٹی نہیں ہے کسی خواب کی جے تعبیر
مگر نگاہ نے دیکھے حسین خواب کئی

خبر بھی ہے تمہیں یارو کہ ناخداؤں نے
ڈھونڈیئے ہیں سفینوں کو زیر آب کئی

خلوصِ دل سے پکارا اگر کوئی تجھ کو
ہر ایک سمت سے آنے لگیں جواب کئی

یہ کون رشکِ بہاراں یہاں سے گزرا ہے
بڑے ہیں ماہ میں بکھرے ہوئے گلاب کئی

وہ ایک لمحہ خدا جانے کھو گیا ہے کہہ سار
حیاتِ شام دسحر نے کئے حباب کئی

بغور تم مری تصویر زندگی دیکھو
میں گے اس میں ڈلنے کے انقلاب کئی

ضمیر ضبطِ غم زلیست کا بھرم رکھنے
پچھلے میں بے تبسم میں اضطراب کئی



صبح کو صبح شب کو شب دیکھا	دُرخ و گیسو کو ان کے جب دیکھا
ہم نے ہر اک کو تشناب دیکھا	نفسِ پیخانہ کچھ عجب دیکھا
زندگی تو نے مجھ کو کب دیکھا	ساتھ رہ کر بھی عمر بھر میرے
لطف دیکھا تر اغضب دیکھا	التفات اور بے رُخی کی قسم
اپنی ہستی کو تو نے کب دیکھا	ساری دنیا کو دیکھنے والے
زلّیت کو موت کا سبب دیکھا	تیری درپردہ ہر نہیں میں دوست
اک تبسّم جو زیر لب دیکھا	خود ہی کلیاں گلاب کی بکھریا
کیسے سمجھوں کس نے یہ دیکھا	خود کو دیکھا نہ عمر بھر جس نے
جب تہی دامنِ طلب دیکھا	اشکِ غم خود ہی بن گئے موتی

اس زمیں اور آسماں کو ضمیر
میں نے محوئے ثنائے رب دیکھا





تڑپا سکا نہ ایک بھی زخمِ جگر مجھے
دیکھے گا کوئی کس طرح با چشمِ تر مجھے

بھڑکیا ڈرا سکے گی راہِ بُرِ خطرِ مجھے
خود آپ ہی بنالیں اگر ہم سفرِ مجھے

راہِ حیات میں نہ مرا ساتھ دے سکا
جس نے قدمِ قدم پہ کہا ہم سفرِ مجھے

نقشِ قدمِ کسی کے تصور میں آگئے
پروا نہیں ملے نہ ملے سنگِ درِ مجھے

بس اک ضمیر ہے مرا سرمایہٴ حیات
لے چل بچا کے گردشِ شام و سحرِ مجھے





جو شراب آنکھ سے چھلکتی ہے
 وہ کہاں ساغروں میں ڈھلتی ہے
 ان کے چہرے پہ زلف لہرائی
 صبح کے ساتھ شام چلتی ہے
 فرش کا کیا ہے عرش کا نپ اٹھ
 آہ دل سے اگر نکلتی ہے
 ہم سفر ہو گیا ہے رہ جب سے
 زندگی میرے ساتھ چلتی ہے
 نہ تو جیتے ہیں نہ تو مرتے ہیں
 جانے کب تیرے جان نکلتی ہے
 بعد مر دن بھی میرے مر قد پر
 بے بسی شمع بن کے جلتی ہے
 ان سے آنکھیں مل رہے ہو ضمائر
 جن کی آنکھوں میں برق پلکتی ہے



کون ڈرتا ہے یہاں اب گردشِ ایام سے
 ہم ہمیشہ ملتے آئے ہیں گلے آلام سے
 کون سی آواز تھی دروازہ گھر کا کھل گیا
 ہو گیا آباد آخر دل کسی کے نام سے
 قیرا ملنا زندگی تیرا نہ ملنا موت ہے
 کس قدر دالبتہ ہے تو میری صبح و شام سے
 آپ آئے ہیں سرِ بالیں جگہ کے لئے
 تھک تھکا کر زندگی جب سو گئی آرام سے
 میکشی پر میری ساقی رشک کرتے ہیں سبھی
 پی رہا ہوں مست آنکھوں کے چھلکنے جام سے
 سانس رکتی جا رہی ہے بھیتا جاتا ہے دل
 سے ملتے ہوں آغاز کے انجم سے
 کون جانے زندگی دراصل کس کا نام ہے
 نبض لیکن چل رہی ہے ایک تیرے نام سے
 موت سے گھبرانے لگے گیا جیوں کے ضمیر
 موت بھی پائی ہے ہم نے زندگی کے نام سے



تم مری راہ پہ آجائے تو اچھا ہوتا
 کیوں ہر اک لغزش بے جا کا تماشا ہوتا
 یہ بھی سوچا ہے کبھی تو نے بتا وقت پرست
 وقت گر ساتھ نہ رہتا تو ترا کیا ہوتا
 دیکھ سکتا نہیں تم کو رگِ جاں سے نزدیک
 کاش خود میری نگاہوں کا نہ پردا ہوتا
 وقت کی بات ہے اے حسنِ مسیحا بیکر
 عشقِ بیمار نہ ہوتا تو مسیحا ہوتا
 رھنائی کے ہیں اجزاء مرے آب و گل میں
 مٹ بھی جاتا تو ترا نقشِ کفِ پا ہوتا
 یوں نہ ہوتے کبھی اربابِ محبتِ ناکم
 کاش اظہارِ محبت کا سلیقہ ہوتا
 فکرِ امروز میسر ہی نہیں جن کو ضمیر
 دل میں کس طرح سے ان کے غم فردا ہوتا



ان کی نظروں میں محبت کے خزانے دیکھے
 جنبش لب پہ تپتی کے رواں تھے دریا
 عالم ہوش ترستار ہا تعبیروں کو
 تیرا معصوم لڑکپن تیرا سنجیدہ شباب
 صرف اک پردہ دل میں ملی ان کی صورت
 مر مٹے آپ ہر بے نام فدائی کتنے
 ان کے دامن میں مچلتے ہرے اشکوں کا قسم
 قید ہستی کا جہنم غم نہ رہائی کی خوشی
 رہنما اپنا سمجھتے تھے جو دیوانوں کو
 اسی آئینہ میں سو آئینے خانے دیکھے
 حق نگر آنکھوں میں رحمت کے خزانے دیکھے
 دیکھنے کو تو کئی خواب سہلنے دیکھے
 ہم نے اے حسن تیرے دونوں زمانے دیکھے
 میری نظروں نے کئی آئینے خانے دیکھے
 جن کو عنوان نہ ملا وہ بھی فلانے دیکھے
 ہم نے بکھری ہوئی تسبیح کے دانے دیکھے
 اس سلیقے کے نقطہ تیرے دیوانے دیکھے
 ہم نے ہر دور میں ایسے ہی سیانے دیکھے

ضبطِ غم کا وہی انداز ضمیر آج بھی ہے
 گوبدلے ہوئے ہر بار زمانے دیکھے



کہیں تماشہ نہ ہو اشک کی روانی سے
نکلتی دیکھتی ہیں چنگاریاں بھی پانی سے

ڈرانہ تجھ کو تو آلامِ زندگانی سے
گذر گیا ہوں کھا زخمِ ناگہانی سے

نہ عزمِ نو سے نہ ہمت نہ جالِ فشانے سے
ملے گی راہِ فقط ان کی مہرِ بانی سے

کبھی تو دیکھ لے روادِ زندگانی پٹھ کمر
ہزاروں عنوانِ ملیں گے اسی کہانی سے

تجھے بھی موت میں چاہوں تو زندگی دکھوں
اگر ہے پیار تجھے میری زندگانی سے

ابھی ہے وقت ذرا کر لے خدمتِ انساں
تو کر نہ جائے سفرِ اس جہانِ فانی سے

ہر ایک لفظ دھڑکنے لگتا ہے دلِ بن کر
بنامِ شعرِ مری فکر کی روانی سے

ہے دل میں عکسِ رُخِ یارِ جاہیں جلوہ
ضمیرِ انہی ہے پہچانِ اس نشانی سے



سجدے قلب و نظر کے دیر ہیں
 چشمِ بینا کے خم یہاں سر ہیں
 ان کے ہاتھوں میں حق کے ساغر ہیں
 پینے والے ترے مقدر ہیں
 سر چڑھاتے ہیں پھول کے بدلے
 تیرے عاشق جنوں پرور ہیں
 ہر نفس میں خبر ہے جلوؤں کی
 کون جانے کہ ہم کہاں پر ہیں
 اللہ اللہ یہ فیض ہے ان کا
 قطرے خود بھی یہاں سمندر ہیں
 معرفت ہے کلام میں جس کے
 اے ضمیر آپ وہ سنخورد ہیں



عشق کو جہاں میں مثل راہ بر رکھا
 بڑھ کے میرے قدموں پر منزلوں سر رکھا
 اشکِ غم کو بیتابوں مسکرا کے جیتا ہوں
 ضبط نے مرے آخر غم کو معتبر رکھا
 کیا خبر سمٹ آیا تیرے جلوے کب اس میں
 شوقِ دل نے پھیلا کر دامنِ نظر رکھا
 بکلیوں کے گرنے کا جس جگہ پہ خطرہ ہے
 ہم نے آشیاں اپنا اس مقام پر رکھا
 خواہشوں کو ہم یارب کس طرح کریں پورا
 زندگی تو دی لیکن رقت مختصر رکھا
 ہے یہ تجربہ میرا خالقِ مجتبیٰ نے
 اہلِ عشق کے دل میں عشق کا اثر رکھا
 ہم نے آس مٹنے کی دل میں عمر بھر رکھی
 تم نے وعدوں پر زندہ ہم کو عمر بھر رکھا
 اے ضیاءِ جلووں کا اک جہاں تھا انظر و تم
 خود نگاہ نے لیکن ہم کو بے خبر رکھا



تارِ کیوں میں نور سا پھیلا رہے ہیں ہم
 ذروں کو کائنات کے چمکار ہے ہیں ہم
 سمجھو تو آسماں کی بلندی بھی کچھ نہیں
 سوچو تو کس کا نقشِ کف پار ہے ہیں ہم
 آنسو گرے کہ غم کی امانت چھلک گئی
 اظہارِ غم کے ساتھ ہی بچتا رہے ہیں ہم
 اے کاش زندگی کو میسر ہو لطفِ دید
 اب اسیرِ وحدہ، فردا رہے ہیں ہم
 اے عہدِ نو یہ سلسلہ جو رتا کجا
 کب سے حیاتِ شوق کو بہا رہے ہیں ہم
 ہم سے نہ وہ ملے کبھی ان سے نہ ہم ملے
 یں مثلِ رنگ و بوسدا یکجا رہے ہیں ہم
 زینتِ لغت کی حرفِ حقیقت الٰہیہ
 باطل کاہر فریبِ حسیں کھار ہے ہیں ہم



اس کو تارِ پنج کی پلکوں سے چٹا جاتا ہے
حق کی خاطر جو سردار چڑھا جاتا ہے

ہم کو رسوا سیر بازار کیا جاتا ہے	امتحان اپنی وفاؤں کا لیا جاتا ہے
اٹھ کے محفل سے کوئی اہلِ وفا جاتا ہے	عمر بھر آپ اُجالوں کے لیے ترسیں گے
اور اجالا سیرِ منیا ربٹا جاتا ہے	پست ذروں کے سقدہ سے اندھیرا نہ گیا
آشیانہ جو بہاروں میں چلا جاتا ہے	ہمد و خوابِ رہائی کی یہ تعبیر نہ ہو
کیوں چرلے آج سیرِ شام بچھا جاتا ہے	آج کی شب یہ مری آخری شب ہے شاید
تیرا دیوانہ بتری دھن میں چلا جاتا ہے	راستہ سوچ رہے ہیں ابھی اہلِ دانش
اوڑھ کے خونِ تمنا کو چلا جاتا ہے	سُرخ آنچل میں سُرخ ز چھپا کر کوئی
خونِ دل اشکوں کے مانند بہا جاتا ہے	آپ جب آئیں گے کچھ بھی نہ ہے گا دل میں
تیرے دامن میں سلتے کو چلا جاتا ہے	نہ ملی جب بھی گھنگار کو دنیا میں پناہ

روشنی سے کہیں محروم نہ ہو جائے ضمیر
کوئی سُورج جو تصور سے ہٹا جاتا ہے



ان کے کوچے میں عجب شانِ مسجانی ہے
مرنے والے نے تو مرے بھی بقا پائی ہے

تیری ہرجائی میں اک عظمت بیکتائی ہے
تیری بیکتائی پہ قرباں تیری ہرجائی ہے
زندگی میرے قریب آ کے قہجھتی ہے
جس جگہ کوئی تماشہ نہ تماشا لائی ہے
برق چمکی ہے تو بھولوں کو ہنسی آئی ہے
مجھے آج مجھے ایسی جگہ لائی ہے
اور ہوں گے وہ جنہیں شکوہ تہنائی ہے
دل کی روتا دنگا ہوں میں سمٹ آئی ہے
کچھ خبر بھی ہے قیامت کی سحر آئی ہے
جس نے تقدیر سے پتھر کی نظر پائی ہے
شور مٹے گا گلستاں میں بہا ر آئی ہے
اہل ساحل کو کہاں ہم سے شناسائی ہے
دہ مری آئینہ کاری کا ہنر کیا دیکھے
کہند الفاظ پرستوں سے کو چہرہ پرکھ لیں
ہنس کے بھولوں کی طرح کانٹوں سے مل کر دیکھو
ہم تو پروردہ طوفان ہیں ہمیں بچا لو!

اے ضمیر اپنے کو ہرگز نہ نمایا کرنا
شہرتِ عام بھی اک طرح کی دھوئی ہے



ساتھ رہ کے بھی یہ ڈر ہے نہ جدا ہو جاؤں
 چاہتا ہوں ترے سایہ کی ادا ہو جاؤں
 تجھ سے اس طرح قوی ربطِ محبت ہو جائے
 میں ترے دل کے دھڑکنے کی صدا ہو جاؤں
 کاش میں تیرے لئے راہِ وفا میں مٹ کر
 عالمِ ہوش میں تمثیلی وفا ہو جاؤں
 وادیِ عشق کے آلام میں جینے کمال
 یہ تو آسان ہے جب چاہوں فدا ہو جاؤں
 کاروانوں کو ملے گا تری منزل کا نشان
 میں اگر راہ میں نقشِ کف پا ہو جاؤں
 اس قدر تیری رضا پیشِ نظر ہے میرے
 زلیست سے بھی تری خاطر میں خفا ہو جاؤں
 ان کی اک ادنیٰ توجہ کی ضرورت ہے ضمیر
 سرِ بلندی میں فلک سے بھی سوا ہو جاؤں



میں نہیں شمس اور قمر کے لئے
یہ تو ہیں میری رہگذر کے لئے

تو کہاں ہے ہر اک نظر کے لئے
زادِ راہ کی مجھ نہیں پروا
اللہ اللہ وہ کیسا جلوہ تھا
غم پہ اوروں کے جو ترپ جائے
خاک سمجھیں عظمیٰ انسان
ایک پل بھی نہ وہ ملا مجھ سے
میں کسی جلوے کو بھی کیا دیکھوں
جو بصیرت نواز ہوتے ہیں
رگِ افکار سے لہو پٹکے
دارِ فانی میں کچھ نہیں ملتا
ہر نفس میں خبر ہو جلوؤں کی
تو ہنریر نہ ہو کبھی نازاں

تیرا جلوہ ہے دیدہ ور کے لئے
تو رہے ساتھ بس سفر کے لئے
بو سے آنکھوں نے خود نظر کے لئے
درد وہ چاہیے جگر کے لئے
جی رہے ہیں جو لعل و زر کے لئے
دل ملا جس سے عمر بھر کے لئے
جلوے خود ہیں مری نظر کے لئے
وہ ترستے نہیں سحر کے لئے
ہے یہی امتحاں ہنر کے لئے
ہم مقامِ حیات ہر کے لئے
غیر ممکن ہے ہر بشر کے لئے
عیب پیدا ہوا ہنر کے لئے

آئینہ گرہے آئینے میں ضمیر
دعوتِ فکر ہے نظر کے لئے



اک لفظِ محبت نہ ہوا جن سے رقم بھی
دعویٰ نہ کریں وہ کہ میں ہم اہلِ قلم بھی

ہو جائے نہ ہیکار وجود اور عدم بھی
وہ رہبر منزل بنے نسبت تری پا کر
اے زندگی تحریر تیری ختم نہ ہو جائے
اغیار کا احسان اٹھانا نہ پڑے گا
اے اہلِ جہاں بے سرو سامان نہ سمجھنا
دیکھو توالت کر بھی اوراقِ بہاراں
غزلوں کو بھی عشق کی آوازیں ڈھالو
جینا ہے تو رکھنا ذرا جینے کا بھرم بھی
چلنا نہیں آتا تھا جنہیں ایک قدم بھی
آئی ہے اجل ہاتھ سے لینے کو قلم بھی
ہیں دل کو دکھانے بہت اجلیکے غم بھی
حاصل ہے مجھے دولتِ نسبت کا بھرم بھی
ساحل بھی ہے دریا بھی ہے اندھ بھی ہجوم بھی
تم ساز جو بن جاؤ تو پھر سوز میں ہم بھی

زندہ ہے ضمیر اک اسی نسبت کی بدلت
ہے سر پہ مرے آپ کا دامانِ کرم بھی



راہی کوئی نہیں ہے کوئی رہنما
 جس راہ پر چلا ہوں کہیں نقشِ پا نہیں
 سجدے سرے زماں و مکاں سب بے نیاز
 گنبد سے بتکدے سے کوئی رابطہ نہیں
 دل ہے کہیں خیال کہیں ہے نظر کہیں
 اے شیخ تیرا ایک بھی سجدہ روا نہیں
 بے کیف سی ہے رات تو بے لطف صبح ہے
 صبح تو یہ ہے کہ جینے میں کچھ بھی مز نہیں
 شام و سحر بہار و خزاں رنج و ابتلا
 کوئی بھی انقلاب کی زد سے بچا نہیں
 تنقید کر رہے ہیں وہ اشعار پر ضمیر
 شعر و سخن سے جن کو کوئی واسطہ نہیں



جو اپنے آپ جی لے وہ کسی قابل نہیں ہوتا
جسے ہو زعم آگاہی کبھی کا مل نہیں ہوتا
خدا کا نام لینا سعی لا حاصل نہیں ہوتا
اگر ہو حوصلہ تجھ میں تو کیا اے دل نہیں ہوتا
نہیں کہتے ہم اس در کو سعی کا در نہیں کہتے
نظر دالوں کو ہر جلوہ نظر آتا ہے قدرت کا
جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں وہ پناہ میں غصہ کو
ترا قاتلی تو چھپ کر وار کرتا ہے سہ تجھ پر
ہمارا حوصلہ دیکھو و فور غم میں ہنستے ہیں
تلاطم آشنا ہوں مجھ کو طوفانوں پال ہے
ہمیں ہر حال میں وہ دیکھ کر بچا لیتا ہے

نہ ہو انسانیت کا در جس میں دل نہیں ہوتا
شکستہ یا مسافر بہر منزل نہیں ہوتا
مسافر لاکھ طوفانوں میں بے ساحل نہیں ہوتا
نہ غم کے طوفانوں سے بھی مشکل نہیں ہوتا
جہاں پر ہاتھ پھیلا یا ہو اساکل نہیں ہوتا
یہاں پر کوئی پروردہ بیچ میں حائل نہیں ہوتا
یہ مشکل کام بھی ان کے لئے مشکل نہیں ہوتا
جو ترے سامنے آجائے وہ قاتل نہیں ہوتا
ہماری گفتگو میں غم کبھی شامل نہیں ہوتا
میری کشتی نہیں ہوتی مرا ساحل نہیں ہوتا
تمہارا چاہنے والا کوئی غافل نہیں ہوتا

ضمیمہ اکثر انہیں میں روشنی تقسیم ہوتی ہے
لہو جن کا چراغوں میں کبھی شامل نہیں ہوتا



اے بے خبر حقیقت کون دسکاں ہیں ہم
 ہر شعبہ حیات کی روح رواں ہیں ہم
 کیوں کر کہیں کہ آپ کے جلوے نظر میں ہیں
 سرگشتہ خیال و قیاس و گماں ہیں ہم
 پہونچے ہیں ہم کہاں تری تصویر دیکھ کر
 تو کیا سوچ سکے گا کہاں تھے کہاں ہیں ہم
 مدت ہوئی بہار چمن سے جلی گئی
 گدڑی ہوئی بہار کی اک داستان ہیں ہم
 خوفِ خزاں چمن میں تھا یاد بہار بھی
 محرابیں بے نیاز بہار و خزاں ہیں ہم
 وہ دن بھی تھے کہ راہِ برکاتینات تھے
 یہ دن بھی ہر کج گردِ پسِ کارداں ہیں ہم
 دنیا کا ہر چمن ہے ہمارا چمن ضائع
 اہل چمن سمجھتے ہیں بے آشتیاں ہیں ہم



یہاں انساں کو اپنا غم نہیں ہے
 شعورِ عظمتِ آدم نہیں ہے
 ہزاروں منزلیں تخلیق کر لیں
 مگر عزمِ سفر محکم نہیں ہے
 بھلا کیا لذتِ غم مل سکے گی
 تبسمِ گر شریکِ غم نہیں ہے
 عبادتِ مسخ ہے، بے روح سجد
 وہ سجدہ کیا اگر دل خم نہیں ہے
 مرادِ وقِ جنوں بھی تھک گیا ہے
 تیرا عالم بھی وہ عالم نہیں ہے
 نظر ہو تو پڑھو چہروں کی تحریر
 نمایاں ہے کہیں مدھم نہیں ہے
 کہو ٹکرائیں تو ٹکرائیں کس سے
 ضمیر ان حادثوں میں دم نہیں ہے



آپخ اہی غم کی میرے قلب پر تنویر پر
 آہ پہلی ضرب ہے یہ عشق کی تعمیر پر
 دفعت گہریں لگیں میرے لبِ تعمیر پر
 بات ٹھیری جب کبھی تفسیر و تفسیر پر
 منظر حسن و محبت کس قدر دلکش ہے دیکھ
 سایہ افکن ہیں مری نظریں تیری تفسیر پر
 ہم نشیں بہتر یہی ہے روک لے اپنی زباں
 دل ہے برہم مصحفِ احساس کی تفسیر پر
 کھینچ کر لائی انہیں آہِ محبت دیکھ
 رشک کرتا ہے زمانہ پھر مری تقدیر پر
 اے اسیرِ ظلم تیرے خون کی تحسیر نے
 روشنی ڈالی ہے اک اک حلقہ زنجیر پر
 ان کے جلوؤں میں یکایک میری نظریں کھو گئیں
 روپڑا میں اپنی چشمِ شوق کی تقدیر پر
 آج کل ہے آپ کا نامہ بھی مجھ سے ہمکلام
 وہم ہوتا ہے مجھے تقدیر کا تحسیر پر
 ابتلا سے مبتلائے درد ہوں یوں تو ضمیر
 پھر بھی کیوں الزام رکھوں کا تب تقدیر کا



کامیابی فضلِ رب کا نام ہے	حسنِ ظنِ حسنِ طلب کا نام ہے
صبحِ تیرہ شامِ دھندلائی ہوئی	کیا یہی اب روز و شب کا نام ہے
سن پرستارِ جنوںِ دہریت	ہر زبانِ حالِ رب کا نام ہے
کیا مرتبِ داستانِ غم کروں	آپ کے لب پر طرب کا نام ہے
رنگِ گلِ رنگِ چینِ رنگِ بہار	آپ کے رخسارِ لب کا نام ہے
کتے ہیں جو آشیاں رکھتے ہیں	اہلِ گلشن میں تو سب کا نام ہے
زلزلے طوفاں آندھی گرکشیں	اک تیری چشمِ غضب کا نام ہے
علم و دانش سے سوا اے اہلِ بخشش	شاعری فیضانِ رب کا نام ہے
کیا وہ سمجھیں لذتِ دردِ حیات	جن کے ہونٹوں پر طرب کا نام ہے

جس کو کہتے ہیں سبھی خواجہ ضمیر
خادمِ شعروا رب کا نام ہے



آستانِ دیراں ہیا دل کہاں ہیا سینوں میں
ایک سجدہ حق کا دم نہیں جبینوں میں

ہم شمار کرتے ہیں وقت کے حسینوں میں
تم فلک نشینوں میں ہو کج دل نشینوں میں

ایک بھی قدم ہم تو بے محل نہیں رکھتے
گو نہیں توازن اب دردِ غم کے زینوں میں

آتشِ غمِ دل کی روشنی نظر آئی
میرے سرخ اشکوں کے ٹوٹے نگینوں میں

جن کی نکتہ چینی میں ذاتیات شامل ہوئی
فن کی آبرو کیا ہو ایسے نکتہ چینوں میں

کس طرح وہ طوفاں پرستِ پائیں گے آخر
دُوب جائیں دل جن کے خود بخود سفینوں پر

تم ضمیرِ زندہ ہو مسکلاؤ ہر غم پر
یہ بھی اک قرینہ ہے عشق کے قرینوں میں



وہ اپنلے کہ بیگنا سے سمجھا نہیں برسوں
عجب انداز سے دل میں رہا میرے مکین برسوں

غزل سن کر مری کیا بات ہے اے ہم نشیں برسوں
پہا پر فکر میں آ رہا ہوں تیری محفل میں
نظر اپنی کبھی محسوسم جلوہ ہو نہیں سکتا
زمانے سے ڈرتے کیا ہو مجھ کو کون ڈرتا ہے
خدا شاہد نظر آئے کئی چہرے رنگا ہوں کو
زباں گل نے کہتے یہ دعا رنگیں عباتیں
تجھے دیکھا تو منزل کا یقین آنے لگا دل کو
جنون عشق میں یار رہا ہماری اس طرح گزری
نہ جلنے کیا نظر آیا جو سجدہ کر لیا میں نے
حد کی آگ میں جلتے رہے میں نکتہ چیں برسوں
رہے گی میری خوشبو تیری محفل کے قریب برسوں
طاہر موٹر پر ہم سے کوئی پردہ نہیں برسوں
یہی تو زمانہ جو رہا زیرِ رنگیں برسوں
مگر تجھے سا نہیں دیکھا کوئی ہم نے حیا برسوں
رہے محفوظ ذہنوں میں غزل کی یہ زمیں برسوں
نہ دیکھا تھا تجھے تو دور تھا دل کے یقین برسوں
رہا ہے چاک دامن پرزے پرزے آستیں برسوں
کبھی کے سامنے تو خم نہ ہوئی تھی جبین برسوں

ضمیر اس آہ دل کو مل ہی میں اپنے چپا رکنا
رہے گی کھابلی وند سہرِ عرشا برسوں



عمر بھر ہم جو تری اک نظر کو تر سے
 تیغ چکاؤ ذرا دار سجاؤ لوگو
 آپ کا فیض تو ہے عام زمانے میں مگر
 دشتِ غربت میں ہے وہ کرب و الم
 یہ اسیری یا رہائی ہے بتا دے صیاد
 ہم تو اٹھ جائیں گے اور اٹھ کے چلے جائیں گے
 خونِ دل خونِ جگر ہم نے دیا گلشن کو
 آپ آئے تو یہ احساس ہو رہے تھے کو
 ایسا کوئی نہ حجت کے اثر کو تر
 نن کا انعام نہ نیکار کے سر کو تر
 کس لئے میری جبین آپ کے در کو تر
 گھر میں رہتے ہوئے جیسے کوئی گھر کو تر
 ہم جو آداد ہوئے جنبشی پر کو تر
 کھل تری بزم نہ پھر اہل ہنر کو تر
 جب بہار آئی تو اک غنچہ تر کو تر
 گھر یہ رہ گھر ہے جو دیوار کو در کو تر

روئے تاباں ہے تصویر میں شبِ مدورِ ضمیر
 ہم کہاں روشنی شمس و قمر کو تر سے



درِ دل درِ جگر اور بیڑھایا نہ کرو
 روئے روشن پہ کبھی زلف کا سایا نہ کرو
 آئینہ دے کے دم مرگ مرے ہاتھ میں
 سر جھکائے ہیں تو پھر دل بھی جھکانا ہو گا
 پیارا، اخلاص سے غیروں کو بھی پس کر لو
 بزمِ احباب میں آیا ہوں چلا جاؤں گا
 وہ جب آئے ہیں تو بچھ جاتے ہیں محفل میں چراغ
 دل سے تم مجھ کو بھلائے تو چلو لوں یہی

ہم کو دیوانہ محبت میں بنایا نہ کرو
 صبح کو شام سے اس طرح ملایا نہ کرو
 زینت کی آخری تصویر دکھایا نہ کرو
 در نہ سجدہ میں فقط سر کو جھکایا نہ کرو
 آپ اپنوں کو بھی نفرت سے پرایا نہ کرو
 میری خاطر کبھی تکلیف اٹھایا نہ کرو
 سامنے ان سے چراغوں کو جھلایا نہ کرو
 شرط یہ ہے کہ خیالوں میں بھی آیا نہ کرو

گوشِ دل سے سنو آجائے جو آوازِ ضمیر
 حق کی یہ بات ہے تم اس کو رہایا نہ کرو



جلوؤں میں ان کے خود کو مٹا کر تلاش کر
بعد فنا بقا کا کوئی گھسہ تلاش کر

بندہ اگر ہے شانِ قلندر تلاش کر
جو روح کو جگادے وہ منظر تلاش کر
ساحلِ تلاش کرنے سمندر تلاش کر
ہر در پہ سر جھکانا ہے تو بین بندگی
پیر اک سے کہو کہ سمندر اگر ملے
نازد نیاز کا یہ تقاضا ہے آج بھی
محفل میں جس سے نور ہو وہ ہے چراغِ خدا
پیتے ہی جس کو کھلتے ہیں اسرارِ دو جہاں
خاصانِ رب تو ملتے انہیں ہر جگہ کبھی
کانٹوں کا یہ وقار خزاں کا یہ آبرو
اک بھڑکیاں کو جو کودے میں کر دے بند
اے باغیاں تو مجھ کو اگر جانتا نہیں

اُٹھ جائے مرہ جس کا وہ ٹھوکر تلاش کر
بروے میں ہے یہاں جو وہ منظر تلاش کر
طوفانِ خیز موج کا منظر تلاش کر
جس در پہ دل کو جھکنے کا وہ در تلاش کر
گہرائیوں میں ڈوب کر گو ہر تلاش کر
سودا ہے جس میں عشق کا وہ سر تلاش کر
تو اس کی روشنی کو نہ درود تلاش کر
اس میکدہ کا ساقی وہ ساغر تلاش کر
ان کو عوام سے ذرا ہٹ کر تلاش کر
سازش ہے اس میں کس کی کج تلاش کر
ایسا کسی کا اک دل مضطر تلاش کر
کس کا لبو ہے پھولوں کے رخ پر تلاش کر

تیری صدا میں کس کی ہے آواز اے ضمیر

اک بار اپنے آپ سے مل کر تلاش کر



ہم سہارا اک شجر سے مانگ کر چپٹا گئے
ہم سے مت پوچھو کہ ہم کیا کھو گئے کیا پاگئے
حق پرستوں کا یہاں پر کرنے استقبال لوگ
صبح لو کی روشنی ہے ہر طرف پھیلی ہوئی
عظمتِ انانیت بیمار ہو کر رہ گئی
خشک ہونٹوں سے تبسم کی توقع ہے فضول
حوصلے اپنے جواں ہیں اپنی ہمت ہے بلند
ہو گیا آسان مرنے آج اپنے شہر میں
ان کا جینا ان کا مرنے قابلِ تعریف ہے
زندگی لے زندگی تیرا خدا حافظ ہے آج

ہم پہ اب اپنے حریف آرا چلانے آگئے
اک تمہارے غم کی خاطر ہر خوشی ٹھکرا گئے
فرشِ گل کے نام پر کلنٹے بچانے آگئے
آپ کہتے ہیں اندھیرے زندگی پر چھا گئے
خود پرستی کی دباؤ کچھ لوگ یوں پھیلا گئے
کھل نہیں سکتے کبھی وہ بھول جو مرجھا گئے
حادثوں کا تذکرہ کیا راستے گھبرا گئے
آپ جب سے قتل کو بھی خود کشی سمجھا گئے
خوابِ غفلت سے جو ذہن و فکر کو جوڑا گئے
دہلی دے کے غم کی آگ کو بھڑکا گئے

خونِ دل اپنے ہے ان روشن چراغوں میں ضمیر
انجمنِ راجن جو روشنی پھیلا گئے



ہے فکر دل کو اگر آئینہ بنانے کی
نظر میں خاک رہے ان کے آستانے کی

یہ مختصر مری روداد ہے فساتے کا
جہاں میں رہ کے بھی خواہش نہیں تڑپانے کی

جلی تھی بات چن میں جو آشیانے کی
فلک سے آئی خبر بجلیوں کے آنے کی

چن میں آج اجالا دکھائی دیتا ہے
الہی خیر ہوا اب میرے آشیانے کی

میں جان و دل کو ابھی فرش راہ کردوں گا
خبر ملے تو سہی مجھ کو ان کے آنے کی

نہ فکرِ حبیب و گریباں نہ ہوشِ دامان ہے
تو خود ہی دیکھ لے حالت ترے دیوانے کی

جو بات میں نے سنائی تھی برسرِ محفل
ظہیر بن گئی وہ داستانِ زلزلے کی



انقلاباتِ جہاں کی کون سی منزل ہے آج
زندگی خود زندگی کے واسطے مشکل ہے آج

کون اپنے قافلہ کا رہبرِ منزل ہے آج
ہر قدم پر زندگی کی راہ میں مشکل ہے آج

جائزہ بینکی بدی کا کچھ تو لینا چاہیے
آج باطل حق ہو اے اور حق باطل ہے آج

تجھ کو اہلِ انجمن نے اجنبی سمجھا ضمیر
روحِ محفل تھا کبھی بیگانہ، محفل ہے آج



آپ ہی دل ہیں اور نظر ہیں آپ
میں نے دیکھا جدھر ادھر ہیں آپ

میں ہوں راہی تو راہ برس آپ	منزلیں خود ہی ہو گئیں آساں
ہر نفس میرے ہم سفر ہیں آپ	دونوں عالم کی سیر کرتا ہوں
سامنے میرے جلوہ گر ہیں آپ	کیا اندھیرے ڈرائیں گے مجھ کو
کیا محبت کی راہ پر ہیں آپ	دنیا والے جو مسکراتے ہیں
رات دن میرے ہم سفر ہیں آپ	چاند تارے سلام کہتے ہیں
باخبر ہو کے بے خبر ہیں آپ	سب کو اپنی طرح سمجھ بیٹھے
درد مندوں کے چارہ گر ہیں آپ	گھر نے والوں کو تھام لیتے ہیں

یہ کشش ہے ضمائر الفت کی
ہم جدھر ہو گئے ادھر ہیں آپ



تمہاری جفا کاریاں اور بھی ہیں

ہماری دھاریاں اور بھی ہیں

حسینوں کی دلداریاں اور بھی ہیں

محبت کی غم خواریاں اور بھی ہیں

ہماری خطا کاریاں اور بھی ہیں

تمہاری طرف داریاں اور بھی ہیں

سفر زندگی کا کچھ آس نہیں ہے

یہ راہوں کی دشواریاں اور بھی ہیں

لوہے کے شاداب رکھا ہے جن کو

خیالوں کی وہ کیاریاں اور بھی ہیں

جہاں پیچ و خم ان کی زلفوں میں ہوں گے

وہاں پر گرفتاریاں اور بھی ہیں

کہیں شہرت عام رسوا نہ کر دے

مرے فن کی خود داریاں اور بھی ہیں

نہ سمجھا کبھی تو نے جذبِ محبت

دلوں کی فدا کاریاں اور بھی ہیں

ذرا پی کے مخمور آنکھوں سے دیکھو

ضمیران کی سرشاریاں اور بھی ہیں



جذبہ عشق میں اتنا تو اثر ہو جائے
 جو ادھر حال ہوا ہے وہ ادھر ہو جائے
 غم دنیا کا اثر ہی نہیں ہوتا کوئی
 فکر یا بند غم دوست اگر ہو جائے
 جب بھی آجائے مرے سامنے وہ پیکر حسن
 ہر نظر اس کی محبت کی نظر ہو جائے
 شبِ سحراں تو بہت طول ہوئی جاتی
 تم تصور میں بھی آؤ تو سحر ہو جائے
 خود ہی ہو جائے گی آسان ہر اک راہِ گل
 دل میں مضبوط اگر عزم سفر ہو جائے
 کاش عبرت ہو چمن لوشے والوں کو ضمیر
 کھل کے ایک ایک کلی آج شر ہو جائے



لاکھ سنا حل نے کیا مجھ سے کنار اے دوست
حوصلہ پھر بھی نہ میں نے کھی ہار اے دوست

صبحِ امید سے ہر شام کو بہلاتے ہوئے
میں نے ہر لمحہ کو مشکل سے گزرا اے دوست

آرزوؤں کی نئی شعیں جلا فی ہونگی
پھر سے چھایا ہے زمانے پہ اندھیرا اے دوست

عظمتِ زیست کا احساس نہیں ہے ان کو
لے کے جیتے ہیں جواوروں کا سہارا اے دوست

میں نے دیکھا ہے کہ پھر جاگ اٹھا میرا ضمیر
تیرے جلوؤں کا لئے رنگِ نظار اے دوست



دیکھ کیسے عالم میں تیرے غم کے مارے ہیں
تیرگی کے بادل ہیں آنسوؤں کے دھارے ہیں

بن گئے محبت کے آج کتنے افسانے
آپ کی نگاہوں میں کیا حسیں اشارے ہیں

ان کی نواب مرگاں پر اشک کیا قیامت ہے
چرخ سے اتر آئے جیسے کچھ ستارے ہیں

حال وہ اگر پوچھے ہم یہ صاف کہہ دیں گے
بے جئے زمانے میں زندگی گدازے ہیں

آپ کی نظر ٹپٹی یا پلٹ گئی قسمت
صرف یاد کے سائے زلیمت کے بہارے ہیں

حسن کا تکبر بھی فیض ہے نگاہوں کا
شوقِ عشق نے گیسو حسن کے سنوارے ہیں

ہے ضمیر دل میرا منتظر اسی دن کا
مسکرا کے وہ کہیں آنے دوہارے ہیں



المٹی ہو جاتی ہے تدریر کوئی کیا جانے
کیوں بگڑ جاتی ہے تقدیر کوئی کیا جانے

ان لکھے حرف کا تحریر کوئی کیا جانے
جو نہ ظاہر ہو وہ تصویر کوئی کیا جانے

جاگتی آنکھوں سے دیکھا ہے خیالوں میں انہیں
ہائے اس خواب کی تعبیر کوئی کیا جانے

یوں تو سب لوگ مرے شعر سنا کرتے ہیں
غم کے احساس کی تفسیر کوئی کیا جانے

وقت بازو پہ کرتے ہیں بھروسہ لیکن
کس طرح بنتی ہے تقدیر کوئی کیا جانے

فرش کیا چیز ہے جب عرش ہلا دیتی ہے
کیسی ہے آہ کی تاثیر کوئی کیا جانے

دل کی اک ضرب پہ ہے آہ کو بنیاد ضمیر
میرے اس عشق کی تعبیر کوئی کیا جانے



کسی نے ایسی مجھے طرزِ زندگی دے دی
زباں آنکھوں کو ہونٹوں کو خامشی دے دی

وہ بارہ خوار ہوں جس کو نگاہِ ساقی نے
بڑے خلوص سے خود اذنِ میکشی دے دی

نہ دن کو چہیں نہ شب کو قرار ہے مجھ کو
تڑپ یہ کس نے محبت کی دائمی دے دی

اندھیرا آپ کی محفل میں اب نہ ہوگا کبھی
ہلو سے ہم نے چراغوں کو روشنی دے دی

بنامِ عشق فقط ان کے اک اشارے پر
ضمیر نے انہیں تحفے میں زندگی دے دی



لگا کر آگ ہم نے آشیاں میں
اجالا کر دیا ہے گلستاں میں

ثبوت اے کا ہے گردِ کارواں میں	ہے کتنا حوصلہ عزمِ جواں میں
صداقت ہو گئی ان سب پیان میں	اگر ہو ربطِ دل میں اور زہاں میں
مرا خونِ جگر ہے گلستاں میں	یہاں ہے لالہ دگل کا زہاں پر
تڑپ پیدا ہوئی برقی تپاں میں	ہمارے آشیاں کے تذکرے پر
شکستہ کشتیِ بحرِ رواں میں	میں اک تنہا مسافر رہ گیا ہوں
چبھنِ گل کی نہ تھی میرے گماں میں	کھٹک تو خار میں ہوتا ہے لیکن
بہار آجائے گی دورِ خزاں میں	ہمارا خونِ دل دے دو چمن کو
مجھے منزل ملی آبی رواں میں	مری مشکل پسندی کام آئی
سلفینہ رک گیا موجِ رواں میں	نہیں طوفاں تو پھر یہ بات کیا ہے
کہ ہم پہاڑ ہیں بنیادِ مسکاں میں	نہیں معلوم شاید خود مسکیں کو

ضمیر اپنا اگر کچھ ساتھ دے دے
تو ہو گئی کامیابی امتحاں میں



جب آنکھ کوئی پرخم نہ ہوئی جب زلف کوئی برہم نہ ہوئی
مانا کہ اندھیرا ہے لیکن یہ شام تو شامِ غم نہ ہوئی

بڑھتی ہی گئی الجھنِ دل کی اس پر بھی نمودِ غم نہ ہوئی
عالم ہے یہ ضبطِ غم کا مرے بے کیفی چشمِ غم نہ ہوئی

میں حال کہوں تو کیسے کہوں ناکامی کا بربادی کا
تقدیر کے چکر بڑھتے گئے اور گردشِ دوراں کم نہ ہوئی

اشکوں کا بھی طوقاں بڑھنے لگا آہوں کی بھی آندھی اٹھنے لگی
احاسِ وفا کی شمع تو روشن ہی رہی مدھم نہ ہوئی

بے خوفِ خطر ہر منزل بڑھتا ہی رہا میں آگے ضمیر
حدِ شکر کہ راہِ فکر و عمل شرمندہ پیچِ خشم نہ ہوئی



ملاؤ مجھ سے نظریا میری جاں آہستہ آہستہ
چلاؤ دل پہ پھر تر و سناں آہستہ آہستہ

جو دشمن تھے ہماری جاں کے کل تک زمانے میں
وہ ہوتے جارہے ہیں مہرباں آہستہ آہستہ

ٹلا کر ہم سے نظروں کو وہ خود ہی سکراتے ہیں
محبت ہوتی جاتی ہے عیاں آہستہ آہستہ

جائے تھے محبت کے جو نقشے دل میں مشعل سے
مٹے جاتے ہیں اب وہ بھی نشان آہستہ آہستہ

کسی کو کیا خبر ہے اے ضمیرِ ان کی محبت میں
گذرتی ہے مری عمر رواں آہستہ آہستہ



غم میں ڈھلتی جاتی ہے آج ہر خوشی اپنی
 زندگی پہ روتی ہے آہ زندگی اپنی
 جس نے کر دیا سوا جس نے کر دیا برباد
 اس سے کیا بچے اے دل رسمِ دوستی اپنی
 جب قدم اٹھاتے ہیں دور ہوتی ہے منزل
 لے کے پھر کہاں جائے ہم کو بے خودی اپنی
 آتشِ غمِ دوراں شعلہٴ غمِ جاناں
 میرے دل سے لیتے ہیں تابِ زندگی اپنی
 لو خزاں کے بیچہ میں جاتے جاتے ہر غنچہ
 آہ سرخ ہونٹوں کی ریا گیا ہنسی اپنی
 کوئی دردِ دل میرا آج تک نہیں سمجھا
 اے ضمیر کام آتی کاش شاعری اپنی



بول بالا رہے ساقی ترے میخانے کا
 دور چلتا رہے بس بارہ و پیمانے کا
 گر پلانا ہے تو بس اتنی پلا دے ساقی
 ہوش باقی نہ رہے اپنے کا بیگانے کا
 آتشِ عشق میں جل کر بھی نہ کمی اف منہ سے
 پیار کچھ ایسا بڑھا شمع سے پروانے کا
 بے پیئے اڑنے لگے ہوش ہمارے ساقی
 جب خیال آتا ہے ہم کو ترے میخانے کا
 کیا بہاروں سے مسرت ہو مجھے بتلاؤ
 نقشہ پھرتا رہے جب آنکھ میں دیرانے کا
 دیکھنے والے کو دیکھا ہی نہیں ہے تو نے
 حال سنتا رہا اوروں سے تو دیوانے کا
 سرخیاں خوں رلائیں گی انہیں آج ضمیر
 پڑھ لیں مضمون جو مرے عشق کے افسانے کا



اٹھایا ہے ہمیشہ ہنس کے بلبلِ زندگی میں
 جنوں شوق سے سیکھی ہے گویا آہنگی میں نے
 خوشی دل کی جواشکِ غم میں اکڑ ڈوب جاتی ہے
 سیرِ تیرگی دیکھی ہے گویا روشنی میں نے
 وفورِ اشکِ غم میں حوصلے دل کے ابھرتے ہیں
 کسی طرح نہ پائی ہمتِ دل میں کمی میں نے
 ٹرپ اٹھی ہے بھلی صرف بنیادِ نشیمن پر
 ہزاروں بار دیکھی ہے یہ ربطِ باہمی میں نے
 کبھی غصے کو ساقی کے پیالے سے بھرمِ رنواں میں
 بغیرِ دل کیا ہے یوں بھی ذوقِ میکش میں نے
 جبینِ شوق میں ہے آستانِ یار کا ہر تو
 ضمیر اس طرح ڈھالے ہیں اصولِ بھگ میں نے



طوفان میرا نہ ہم زبیرا ہواجِ رواں ہوں گے
جب حوصلہ ابھریں گے خود غمِ جواں ہوں گے

اس صحن کے جلو جب ہر رخ سے عیاں ہوں گے
پرک بھی نہ لگا ہوں گے احساسِ گراں ہوں گے

وہ چشمِ تصور میں جب رقصِ کناں ہوں گے
نظارے محبت کے ہر سمت جواں ہوں گے

جب دورِ بہاراں میں خود برقِ تپاں ہوں گے
کس طرح چین میں ہم بلے نام و نشان ہوں گے

اے گردشِ دوراں تو جی بھر کے ستالینا
لیکن نہ کبھی بھی ہم مائل بہ نغاں ہوں گے

ہے شمعِ سخنِ روشن محفل میں ہر دم سے
یوں تو تری محفل میں سب اہلِ زباں ہوں گے

ہیں زہرِ شکنِ عشوے یہ ناز و ادا غم کے
کیا جانئے دل کتنے اب نذرِ بتاں ہوں گے

جذبات کے پردے میں چھپتے ہیں کہیں جلوے
جو دل میں نہاں ہوں گے نظروں کی عیاں ہوں گے

وہ ساتھ نہانے کے رہتے ہیں ضمیرِ اکثر
ہم اہلِ تمنا کے ہمراہ کہاں ہوں گے



جب محبت کی ابتداء ہوگی
 ہر شبِ غم کی انتہاء ہوگی
 ہم پہ جب آپ کی عطا ہوگی
 زندگی اپنی جاں فدا ہوگی
 آپ کی صرف اک نگاہِ کرم
 میرے جینے کا آسرا ہوگی
 آپ اپنا اگر مجھے سمجھیں
 زندگی کس طرح فنا ہوگی
 دین اس کی ضمیر کیا کہیں
 ہر طلب سے تری سوا ہوگی



پھر گھٹائے پیام آہی گیا
 میرے حصے کا جام آہی گیا
 جذبہ شوق کا م آہی گیا
 ان کا مجھ تک سلام آہی گیا
 زخموں اٹھتی ہیں جام آتے ہیں
 زندگی کا مقام آہی گیا
 چاندنی لیکے میری دنیا میں
 آج ماہِ تمام آہی گیا
 میرے اشکوں کے لب پہ آج ضمیر
 جانے پھر کس کا نام آہی گیا



دل میں سڑپ نہ گناہوں میں جلوہ لئے ہوئے
 جیتا ہوں تیرے غم کا سہارا لئے ہوئے
 یہ بھی ہے جبرِ عشق کہ محروم مرگ ہوں
 زندہ ہوں زندگی کی تمنا لئے ہوئے
 ان کا ہر اک خیال ہے ان کی ہر اک نظر
 میرے شہادت کی دنیا لئے ہوئے
 مدت سے پھر رہا ہوں محبت کی راہ میں
 دستِ جنوں میں دامنِ بھرا لئے ہوئے
 میری نگاہِ شوق تیرے اعتبار پر
 ہے زندگی فروزِ نظرِ رالئے ہوئے
 اس راہِ زندگی کی اندھیروں کو کیا خبر
 شامِ الہیہ غم کا اجالا لئے ہوئے
 ان کی نظر ہے مرہمِ زخمِ سخنِ ضمیر
 آئے رہ میرے نن کا مداوا لئے ہوئے



زندگی کیسے تجھے ساتھ میں لیکر نکلوں
موت کا حکم ہے تنہا میں سفر پر نکلوں

مجھ کو کس طرح بھلائے گا بھلانے والا
اشکِ غم بن کے اگر آنکھ سے دھل کر نکلوں

کیا حقیقت کو سمجھتے مری اہلِ دنیا
میں وہ قطرہ ہوں جو وسعت میں سمندر نکلوں

پیرہ شہاد و شہود اگر اٹھ جائے
کھول دے رازِ حقیقت جو نہ منظر نکلوں

میں جو بکھروں تو نظر آؤں ہر اک ذرہ میں
اور سمٹوں جو کہیں عشق کا محور نکلوں

جھوم اٹھے گی ابھی آپ کی محفل کی فضا
جاتے جاتے جو غزل کوئی سنا کر نکلوں

آپ کا نور ہے پنہاں مگر آبِ دگل میں
نقشِ پا آپ کا بن جاوے تو رہز نکلوں

دیکھتا ہوں اسے گھر بیٹھے تصور میں ضمیر
رہینے اس کو بھلا کیسے میں درد نکلوں



تو میری دل میں نظر میں خیالِ خواب میں ہے
 نیکایک آگ لگا کر مرے نشیمن کو
 ان آنسوؤں کی حقیقت کوئی سمجھ نہ سکا
 ترا جالِ مکمل ارے معاذ اللہ
 نہ جانے رنگِ حقیقت کہاں ہے پوشیدہ
 میں تیرے ہاتھ سے لوں جامِ کس لکھساقی
 جو گل تھا رشکِ چین وہ ہے دستِ گلشن میں
 سمار ہی ہے غزل در غزل کوئی آواز

میں کیسے سمجھوں کے جلوہ ترا نقاب میں ہے
 خدا ہی جانے یہ کیوں برقِ اضطراب میں ہے
 جگر کا خون مرے دیدہ پُر آب میں ہے
 نہ ماہتاب میں طے اور نہ آفتاب میں ہے
 نگاہ آج بھی الجھی ہوئی سحراب میں ہے
 تیری نگاہ کی مستی کہاں شراب میں ہے
 جو دل تھا کام کا وہ حالتِ خراب میں ہے
 حسن کس کا مری چشمِ انتخاب میں ہے

جلانی ہوگا تجھے شیعِ عزمِ لڑ کو ضمیر
 کہ زندگی ابھی اک ظلمتِ عذاب میں ہے



دوید حاضر میں بھلا زلیست کی قیمت کیا ہے
بے زرو مال کی دنیا میں حقیقت کیا ہے

آشیاں ان کا چمن ان کا کلبہ نکلت ان کی
جو نہیں جانتے گنزار کی قیمت کیا ہے

دکھ اٹھائے ہیں زمانے کے زمانہ ہے گواہ
کیا بتائیں کہ تیری چشمِ عنایت کیا ہے

سنگِ دریغ کے چلے آئے بوقتِ سجدہ
ورنہ اسے زاہدِ ناداں یہ عبارت کیا ہے

سکار فرمانہ ہو جب مقصدِ تعمیرِ حیات
پھر تری شاعری اے شاعرِ فطرت کیا ہے

ہم ہی خود راریِ فطرت پہ بہت نازاں تھے
جب کہ واقف نہ تھے تکمیلِ ضرورت کیا ہے

چشمِ بنیاد ہی جب خیر سے نابینا ہو
پھر یہ احساسِ الم اشکِ ندامت کیا ہے

زندگی جہدِ مسلسل سے سنور جائے گی
اے رفیقِ الم شکوہِ قسمت کیا ہے

زندگی درد سے سمور ہوئی اپنی ضمیر
اس سے پوچھے کوئی احساسِ محبت کیا ہے



حیاتِ شوق کا عالم بھی ہے عجب عالم
نہ دایمی ہے خوشی جا و ماں نہ لذتِ غم
ترقیوں کے اجالے میں دو درِ حاضر سے
میں پوچھتا ہوں کہاں ہے وہ عظمتِ آرم
درستِ وقت کی نبضوں پہ ہاتھ ہے اپنا
نہ جانے کیوں ہے ابھی زندگی کی لے مدھم
کئی چراغِ سر رہگذار جلتے ہیں
یہ کون چھوڑ گیا آج اپنے نقشِ قدم
تجلیوں نے تری ہر فسون کو توڑ دیا
ضمیر کھانہ سکا پھر فریبِ ریر و رحم



ساقی یہ میکدے کا عجب انتظام ہے
 مئے ہے نہ دند ہے کوئی ساغر نہ جام ہے
 ہر پڑ برہنہ ہے نہ پتے نہ پھول ہے
 اے باغباں چن کا یہ کیا نظام ہے
 منزل تمام عمر بخت ڈھونڈتے رہے
 جب نقش پائے یا رہسارا مقام ہے
 پہلی سی ان کی ہم پہ توجہ نہیں رہی
 دل کا سلام ہے نہ قطر کا پیام ہے
 کس وقت آپ آئے عبادت کے واسطے
 جب کہ مر لیں غم کا ہی قصہ تمام ہے
 ہے اب بھی وقت کر لے تو کچھ کام بے خبر
 فانی جہاں میں صرف دو روزہ قیام ہے
 اک سنگدل کو موم نہ کر پایا تو ضمیر
 تیری صدا کے آگے تو ہر اک غلام ہے
 ٹپکاپے خونِ دل رگِ افکار سے ضمیر
 روشن جہاں میں اس لئے میرا کلام ہے



جو مانگنا ہے مانگ یہ دربارِ عام ہے
بگڑی ہوئی بنانا اسی در کا کام ہے

خالی یہاں سے کوئی بھی لوٹا نہیں کبھی
یہ آستانِ پاک کا فیضانِ عام ہے

جائیں گے چھوڑ کر کہاں در آپ کا حضور
قدموں میں آپ ہی کے ہمارا مقام ہے

جو تیرے عشقِ پاک میں مٹ کر فنا ہوا
اس کی حیات گویا حیاتِ دوام ہے

جب تو نہیں تو کچھ بھی نہیں کائنات میں
تیرے بغیر سانس بھی لینا حرام ہے

یہ دل تمہارا جان تمہاری خدا گواہ
تم سے ہمارے زندگی کا ہر اک صبح و شام ہے

جن کو بھی مانگنا ہے وہ مانگے اور کب ساتھ
اس در کا فیض سکر زائے میں عام ہے

اے پیئے والے بی کے مقدر پہ نماز کر
ساقی ہے میکدہ ہے اور گردشِ حجام ہے

راہوں میں پیچ و خم اگر آئیں تو غم نہیں
میرا صفیر راہِ بر صبح و شام ہے



تصور بھی جہاں ساحل کا کچھ مشکل آتا ہے
 سیفے کوہِ طوفاں دہیا پہ چھوڑ جاتا ہے
 دم سیرِ حین جب کوئی غنچہ مسکراتا ہے
 مجھے بے ساختہ تیرا لب لہجہ یاد آتا ہے
 وفا کی سنجھاں سب پر کبھی بکساں نہیں ہوتی
 زمانہ آدمی کو دیکھ کر ہی آزما تا ہے
 ہوئی موقوف ان رسمِ ربط و ضبط مدت سے
 کبھی یاد آتی ہے ان کی لو غم آنکھیں دکھاتا ہے
 بعنوانِ محبت آج کوئی تیری محفل میں
 زبانِ اشک سے افسانہ ہستی سناتا ہے
 قفس سے کتنی ہی مانوس ہو جائے نظر لیکن
 چمن کے ذکر پر اپنا نشین یاد آتا ہے
 ضمیر اکثر کوئی آواز دیتا ہے درِ دل پر
 جہاں احساسِ تنہائی مسلسل ہر اٹھاتا ہے



آدمیت جو کروٹ بدلنے لگی
 ذہن شاعریں یہ بات کھلنے لگی
 زلف لہرا کے رخ پر مچلنے لگی
 صبح کے دوش پر شام چلنے لگی
 کھل گئے مجھ پہ اسرارِ غم دوستو
 جب سے احساس کی شمع جلنے لگی
 زندگی کے ارادے بدلنے لگے
 ہر خلش سے غم اگلنے لگے
 پھر ضمیر آج کیوں بنم اغیار میں
 ذکر میرا میری بات چلنے لگی



میں ترے کادوں میں آتا ہوں کھوجاتا ہوں
اجنبی آپ ہی اپنے سے میں ہو جاتا ہوں

اب یہ دنیا مرے نزدیک نہیں آسکتی
میں تری دھن میں تری یادیں کھوجاتا ہوں

بعدِ مدلت کے جو آیا ہوں ترے کوچے میں
جانے کیا سوچ کے بے ساختہ رو جاتا ہوں

بسترِ گلِ لڑا ہی محتاج نہیں نیند مری
وقت پڑتا ہے تو کائناتوں پہ بھی سو جاتا ہوں

تری فرقت میں نکلے ہوئے آنسو میرے
موتی ایسے ہر گچ پلکوں میں پرو جاتا ہوں

تری پر چھائی سے کیا کام چلے گا میرا
لے تری فدا میں خود کو ہی سمو جاتا ہوں

دل کے آئینے میں اک عکس نظر آتا ہے
اپنی پہچان کو میں بھول کے کھوجاتا ہوں

کس نے سمجھا ہے مرا حوصلہ ضبطِ صنیعو
میں تو ہر غم کو قبضہ میں ڈبو جاتا ہوں



آنکھ والا ترے جلوہ کو ترستا ہی نہیں
آنکھ وہ کیا ہے اگر حسن کا جلوہ ہی نہیں
اس کا محفل کا کبھی ذکر نہ کرنا ہمدوم
غیر تھا غبر ہے وہ غیر رہے گامے دل
ہر قدم پر مجھے منزل کا نشان ملتا ہے
ہم جو چاہیں تو بدل سکتے ہیں رنگِ محفل
سرنگوں عظمتِ آدم ہے خدا خیر کرے
وقت کے ساتھ بدل جاتے ہیں دنیا والے
شیخ کی شان ہے جلتے ہوئے پردانوں سے
زندگی بھر وہ بھٹکتا ہے اندھیروں میں ضمیر

دیدہ کو رہے جس نے تجھے دیکھا ہی نہیں
سرور کیا جس میں ترے عشق کا سوراہی نہیں
جس کی محفل میں غم دل کا مداوا ہی نہیں
تو لستہ اپنا سمجھتا ہے جو اپنا ہی نہیں
عشق کی راہ گذر میں کوئی دھوکا ہی نہیں
ہم کو محفل میں کمی نے ابھی سمجھا ہی نہیں
ہم کو اس دور میں جینے کا سلیقہ ہی نہیں
وقت کو تو نے بدلتے ہوئے دیکھا ہی نہیں
حسن کس کام کا جب چاہنے والا ہی نہیں
شمعِ احساس کا گر دل میں اجالا ہی نہیں

بے نیازی نے سلامت تجھے رکھا ہے ضمیر
لبِ احساس پہ اک حرفِ تمنا ہی نہیں



ہم جو ہو جائیں گے آپ اپنے سے اک بار جدا
 زندگی کے نظر آئیں گے پھر آثار جدا
 ہم نے دیکھا ہے زمانے کو زمانے کی قسم
 وقت بگڑا تو ہوئے ہم سے بھی یار جدا
 کاش پہچانے یہ رازِ چین اہل چین
 اک جگہ وہ کے بھی پھولوں سے رہے خار جدا
 گردشِ وقت نے منظر وہ دکھایا ہم کو
 کس طرح ہوتے ہیں گھر کے در و دیوار جدا
 نظمِ میخانہ ہے محتاجِ توجہ ساقی
 جامِ مینا سے جدا مئے سے ہے میخوار جدا
 موت آئی تو بکھر جاتے ہیں اجزائے حیات
 سازِ ہستی کے ہوئے جاتے ہیں سب تار جدا
 کام آئی ہے سرِ حشر تری چشمِ کرم
 ہو سکے لطف سے کب تیرے گنہ گار جدا
 فرق ہو تلے جہاں ظاہر و باطن میں ضمیر
 ہم نے دیکھا کہ ہے گفتار سے کردار جدا



صبح پر شام پچھا جائے گی رفتاً ان کے رُخ پر جو گیسو بکھر جائیں گے
 راستہ میں اندھیرا ہو جب ہر طرف رہروانِ محبت کدھر جائیں گے
 اپنی منزل سے آجکل ہٹے گمانہ پھر پھول کی طرح عارض نکھر جائیں گے
 جب جوانی کی تکمیل ہو جائے گی حُسن کے چند گوشے ابھر جائیں گے
 کیا خبر تھی مجھے اس طرح یک بہ یک خُون ہو جائیں گے دل کے ارا سب
 تیری خاموش نظروں کے نشتر سبھی میرے قلب و جگر میں اتر جائیں گے
 خود ہی آساں سے آسان ہو جائیں گے راہِ الفت کے دشوار تر مرحلے
 تم جو باہوں میں باہیں ذرا ڈال دو ہم کٹھن منزلوں سے گزر جائیں گے
 درِ دل آج حد سے سوا ہو گیا تو نہیں آیا ہونٹوں پہ دم آگیا
 وقت باقی ہے آج بے وفا جلد آ ورنہ دنیا سے ہم خود گزر جائیں گے
 ان کو ترپائے گا درِ دل مدّتوں آہ ہونٹوں پہ لہرائے گی دیر تک
 مسکراتے ہوئے آرہے ہیں مگر دیکھ کر مجھ کو با چشمِ نم چائیں گے
 کس کو معلوم تھا اے ضیاءِ حزیں دل کے اربابِ نکلیں گے کچھ اس طرح
 آہ بن کے لبوں پہ ابھر جائیں گے اشکِ غم بن کے آنکھوں میں بھر جائیں گے



ان کے دل پر غم پہناں کا اثر کیا ہوگا
 جو ادھر حال ہوا ہے وہ ادھر کیا ہوگا
 سب کے سب جلوۂ آغازِ سحر میں گم ہیں
 کس کو معلوم ہے انجامِ سحر کیا ہوگا
 ذرہ ذرہ پہ ہو جب خوفِ خزاں کا پیرہ
 پھول پر فصلِ بہاراں کا اثر کیا ہوگا
 راہِ دشوار بھی ہو جائے یکایک آس
 وہ اگر ساتھ ہوں احاسِ سفر کیا ہوگا
 ترے اندازِ نظر ہی پہ ہیں نظریں سب کی
 دیکھنا ہے ترا اندازِ نظر کیا ہوگا
 جارہے غم کے خمِ وسیع سے ٹرنے والو
 تم سے دنیا کا کوئی مسرکہ سر کیا ہوگا
 عیب کو وہ جو ہنر کہتے ہیں کہنے دکنیز
 عیب ہر حال میں ہے عیب ہنر کیا ہوگا



ہزاروں بار سہمی دور آسماں بدلے
بتاؤ کیسے کوئی روحِ داستان بدلے
ہزاروں بار گری برق آشیانے پر
زمانہ لاکھ بدلتا رہا ہے رنگ اپنے
متاعِ زیست ہے بے شک وہ ایک لمحہ فکر
سفینے ڈوبنے والے ابھر کے آئے ہیں
خلوصِ وقت کے زخموں کا بن گئے کمریم
بہار آ کے بھی نظمِ جن بدل نہ سکی
پلار ہا ہے نگاہوں کے جام سے ساقی
ضروریات نے لوٹا متاعِ قلب و نظر
مگر خدا نہ کرے چشمِ مہرباں بدلے
زمانہ لاکھ محبت کی سرخیاں بدلے
وقارِ پرستِ عنادل نہ بگلتاں بدلے
جبینِ شوق ہی بدلی نہ آستاں بدلے
امید و یاس سے جب قلبِ ناتواں بدلے
یہ سیرِ طرزاں شکنِ حوصلے جہاں بدلے
یہ داغِ ہلے دلِ انجنِ جہاں بدلے
یہ سچ ہے کوئی ذرا طرزِ باغباں بدلے
اے اہلِ بادہ کدہ طرزِ میکشاں بدلے
فریبِ زیست نے جب عہدِ دوکشاں بدلے

فسونِ دیر و حرم ہے ضمیرِ ذہنوں پر
زمانہ بیت چکا طرزِ امتحاں بدلے



بہار اپنی چمن اپنا نہ اپنا آشیانہ ہے
 مگر گلشن میں باقی آج بھی اپنا فسانہ ہے
 میصبت میں خود اپنے بھی پرانے ہوتے جلتے ہیں
 یہی دستور دنیا ہے یہی رنگِ زمانہ ہے
 تقاضے اب نیاز و ناز کے کچھ رنگ لائیں گے
 جبینِ شوق میری اور ان کا آستانہ ہے
 ابھی میں صفحہ ہستی پہ اک حرفِ تمنا ہوں
 مرے اشعار کا مشتاق کیوں دو در زمانہ ہے
 سن کر آج میں پختیار ہوں غم کا افسانہ
 ہر اہلِ غم سمجھتا ہے یہ اپنا ہی فسانہ ہے
 ضمائرِ آواز دیتا ہے مسلسل اے جہاںِ عالم
 خود اپنی سانس ہی اپنے لئے اک تازیانہ ہے



کہتے ہیں عشق کس کو ذرا لو لگا کے دیکھ
 دیوانہ اپنے دل کو کسی کا بنا کے دیکھ
 نزدیک آ کے دیکھ کبھی دور جا کے دیکھ
 لیکن یہ شرط ہے اسے اپنا بنا کے دیکھ
 ترے مریض ہجر کا بچنا محال ہے
 نسبت کو آج اپنی مسیحا بنا کے دیکھ
 تو اس میں ہے رہ تجھ میں ہے کیا جانتا نہیں
 ہے دیکھنا اسے تو خودی کو مٹا کے دیکھ
 ابھائے گی مرے دل دیراں میں پھر بار
 اک بار میری صحت ذرا سکا کے دیکھ
 جلوہ جمالِ یار کا ہے روبرو ضمیر
 آنکھوں پہ جو پڑا ہے وہ پردا اٹھا کے دیکھ



ہم کو بدلے یہ زمانہ بھی تو کیونکر بدلے
وقت بدلا تو یہ دیکھا ہے کہ اکثر بدلے
میری ہستی میں ہیں موجود خزانے کتنے
رہ سفر کیا ہے گزر جائے جو ساحل ساحل
فکرا اپنی نہ زبان اپنی نہ مضمون اپنا
جگمگاتے ہوئے گھر سے یہ پتہ چلتا ہے
ایک قطرہ ہی سہی موت سے ڈرتے کب ہیں
تیرے دیوانوں کے قدموں میں تھی منزل ان کا
میں چراغِ سہ منزل کا طرح روشن ہوں
جوٹ احساس پہ لگتی ہے تو دل کہتا ہے

بارگاہِ ہم نے زمانے کے مقدر بدلے
کوئی ایسا نہیں جو وقت کے تیور بدلے
جستجو میں مری ہر عہد نے دفتر بدلے
رُخ ذرا کشتی کا طوفان کی زد پر بدلے
پھر بھی محفل کو وہ رنگ اپنا جا کر بدلے
آپ آئے تو مرے گھر کے مقدر بدلے
ہم سمندر میں جوں جوں جا بئی سمندر بدلے
ہوش والے کبھی رستہ کبھی نہ ہر بدلے
آؤں محفل میں تو محفل کا ہی منظر بدلے
بھول کے روپ کو دھاڑ ہوئے پھر بدلے

اسی عالم میں ہے دنیا کا ماسفر خانہ
اے صنیر آپ کہاں آج نیا گھر بدلے



رُخِ حسیں کو حضور آپ سے ادھر کر دو
 ہمارے حال پہ اک پیار کی نظر کر دو
 ترس رہی ہے اجالوں کو زندگئی میری
 جو ہو سکے تو شبِ غم کی بھی سحر کر دو
 یہ ماننا ہوں نظر بے رخی کا فخر ہے
 تم اس کو مرہمِ زخمِ دل و جگر کر دو
 رہو جہاں میں ہمیشہ ہی سرخرو بن کر
 جو تم پہ آئے وہ الزام میرے سر کر دو
 نظر کے ساتھ کئی جامِ رقص کرتے ہیں
 بس ایک جامِ مرے نامِ عمر بھر کر دو
 مجھے ہنر نہیں آیا زمانہ سازی کا
 مزاج دار و مجھے واقفِ ہنر کر دو
 بنارہا ہوں لہو سے غزل کی لوں پلک
 ضمیرِ اہلِ سخن کو ذرا خبر کر دو



لٹ دی آپ کی خاطر متاعِ زندگی میں نے
 بتادیں آپ ہی افسانے کی کیا کمی میں نے
 ہوا ہے کس طرح سودا نہ پوچھو ان کی الفت کا
 سکونِ دل کو دے کر مولیٰ ہے بے کلی میں نے
 مری الفت پہ شبہ ہے انہیں کو حیف ہے ایدل
 کہ جن کے واسطے برباد کر لی زندگی میں نے
 ہزاروں بار دیکھا آپ کی شانِ تبسم کو
 ہزاروں بار دیکھیں بجلیاں چمکی ہوئی میں نے
 ہمیشہ مجھ کو غم میں مبتلا رکھا زمانے نے
 لبوں پر اپنے اک دن بھی نہ دیکھی ہے ہنسی میں نے
 سیتم سہتا رہا میں زندگی بھر اے ضمیر اس کے
 نبھانا تھا غرض مجھ کو نبھا دی دوستی میں نے



کب عشوہ و انداز کا پھر وار کرو گے
کب تیر نظر دل کے مرے پار کرو گے

تم میرے لئے میرے لئے میرے لئے ہو
تم میرے سوا کس سے کہو پیار کرو گے

دل میرا تڑپتا ہے محبت میں تہساری
کب مجھ پہ کرم اے میرے سرکار کرو گے

مر جاؤں گا مٹ جاؤں گا چاہت میں تمہاری
تم چاہ کا میری اگر اقرار کرو گے

تم میری محبت کا ذرا فیصلہ کرو
کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ انکار کرو گے

ہو جائے گی آسان ہر اک راہ محبت
ملنے کے اگر راستے ہموار کرو گے

بیخانے میں اک بوند کو ترسو گے ہمیشہ
شکوہ بھی دستور کا میخوار کرو گے

تم سیر چمن کے لئے آئے تو ہو سیکن
ھر پھول کو گلشن میں بہت خواہ کرو گے

ھر ایک سمجھتا ہے ضعیف اب تمہیں اپنا
کس کس کی محبت کا تم اقرار کرو گے



ہر ایک گوشے میں برقِ تپاں کی بات چلی
چمن میں جب بھی مرے آئیناں کی بات چلی

پہنچ گیا سرِ منزل میں جس گھڑی ایدِ وست
رہِ حیات میں غمِ جواں کی بات چلی

کہاں سے آگئے آخر یہ رہرواںِ غلط
کہ کارواں نہ چلا کارواں کی بات چلی

یہ سچ ہے چل نہ سکی دو قلم بھی عمرِ رواں
بہت دنوں مری عمرِ رواں کی بات چلی

غزل سنائی ہے ہم نے جہاں کہیں بھی ضمیر
وہاں ہمارے شعورِ بیاں کی بات چلی



پکر رہی داری کیا یہ باندی کہاں ہوتی ہے

بمردہ داروں کی ملاقات جہاں ہوتی ہے

یوں تو ملنے کو سب احباب ملا کرتے ہیں	بھر بھی تنہائی مری آفت جاں ہوتی ہے
رقص کرتی ہیں خدا جانے بہاریں کتنی	مسکراہٹ جو ترے لب پہ عیاں ہوتی ہے
وہ تو کھولے ہوئے زلفوں کو چلے آئے ہیں	زندگی سوچ تر چھیڑ کھساں ہوتی ہے
اک مخمور کا ہے اتنا ہی تعارف ایڈوست	عظمتِ فکر و نظر اس سے عیاں ہوتی ہے
دیکھ لیتا ہوں تصور میں تمہارا جلوہ	آنکھ میری کبھی بے نور کہاں ہوتی ہے
بحرِ ہستی کا ہر اک موج کو رکنا ہوگا	کشتیِ محرمی آج رواں ہوتی ہے
یہ بھی کیا کم ہے کہ وہ یاد ہیں کرتے ہیں	اہلِ فن کی کمی محسوس جہاں ہوتی ہے
آپ تنقید کسی پر بھی خدارا نہ کریں	اچھے لوگوں میں بری بات کہاں ہوتی ہے

آنکھ دالا ہو تو بڑھ سکتا ہے چہر کو ضمیر

دل کی ہر بات کہاں سب پہ عیاں ہوتی ہے



لوحِ حُجَّت کا کچھ اس طرح لکائے رکھنا
 ان کے جلوؤں کو ترسکا ہوں میں سلائے رکھنا
 ہم غلاموں کی صدا لاج بھلائے رکھنا
 بات بگڑے نہ کہیں بات بنائے رکھنا
 منزلِ شوق مری آپ کے قدموں میں رہے
 اپنے قدموں سے ہر حال لگائے رکھنا
 دوزنِ عالم اسی صورت میں نظر آئیں گے
 اک تصور کو ذرا ان کے جائے رکھنا
 میری نسبت کزباں پر گئی شام و سحر
 اپنے سائے میں ہر اک غم سے بچائے رکھنا
 جانے کب جان تری تن سے نکل جائے ضمیر
 یادِ محبوب کو سینے سے لگائے رکھنا



حارِ دیر و حرم کو توڑ کر اے حسنِ جانا نہ
 زمانے میں اکیلا ہو گیا ہے تیرا دیوانہ
 تری زلفوں کی خوشبو سے ہلک جاتے ہیں فرزانہ
 جسے بھی چاہتی ہے تو بننا لیتا ہے دیوانہ
 پلائے جا پلائے جا مرے ساقی پلائے جا
 تری نظریں میں یہ پیانہ مری نظریں میں زندانہ
 تمہاری یاد میں جینا تمہاری یاد میں مرنا
 کوئی پوچھے تو کہہ دینا یہی مشغلی زندانہ
 بتا اے زندگئی تجھ کو کہاں اب لیکے جاؤں میں
 وہ کعبہ ہے خدا کا گھر یہ ساقی کا ہے میخانہ
 تیرے دیدار کا عالم نہیں معلوم کیا ہو گا
 نقطہ تیرے تصور سے ہے روشن میرا غم خانہ
 کئی حسرت کئی آنسو کئی آہیں سمٹ آئیں
 ضیاءِ اب ہو گیا آباد میرے دل کا کاشانہ



ہم نے سوچا ہی نہیں گلشنِ یہ کیسے نام ہے
خونِ دل خونِ جگر دینا ہمارا کام ہے

جینے والوں کیوں لبوں پر شکوہِ آلام ہے
سُنی پیہم در حقیقت زندگی کا نام ہے

بنفصِ ڈوبی سانسِ لٹی آخری پچھلی لگی
اب ترے بیمار کو آرام ہی آرام ہے

زندگی اے زندگی کتنی ہیں تصویریں تری
تو کہیں بدنام ہے اور تو کہیں انعام ہے

مل گیا ہے مجھ کو جب ان کا دامانِ کرم
منزلِ مقصود اپنی آج زیرِ گام ہے

حوصلہ دل کا سلامت ہے تو مجھ کو غم نہیں
میرے آگے سرنگوں ہر گردشِ ایام ہے

اہلِ ایمان نے کیا ہے دل سے تیرا احترام
اے ضمیرِ انسانیت کا تو بڑا انعام ہے



جادہ شوق کے ہرزہ کو منزل باندھا
 ربط و نسبت کی قسم سجدہ کے قابل باندھا
 میں نے اس درد کو پہلو میں جو رہ رہ کے اٹھا
 اپنے ٹوٹے ہوئے ارمان کا حاصل باندھا
 اپنی ہمت ہے کہ تعمیرِ نشیمن کے لئے
 حوصلہ برقی فروزاں کے مقابل باندھا
 میں کہاں کش مکشِ وقت سے ڈرنے والا
 موجِ طوفاں کو مرے عزم نے ساحل باندھا
 ہجر میں اس ہی جینے کی جہاں ٹوٹ گئی
 آپ کی یاد نے ہر سانس کو مشکل باندھا
 علمِ کبھی کا ہو مگر عکسِ نظر آتا ہے
 دل کے آئینے کو آئینہ ہر دل باندھا
 ہر لپسِ قافلہ افتادہ مسافر کو ضمیر
 ہم نے پاؤں ہوئی گردِ رہ منزل باندھا



ہم نہ ہوں گے تو یقیناً تیرگی چھا جائے گی
دور ہو کر ہم سے دنیا ایک دن پھٹ جائے گی

بھولنے والے بتائیں کس طرح بھولوں تجھے
خود بخود صورت تیری دل میں اترتی جائے گی

اے خدا تیرے سوا اب رہنے والا کون ہے
کس کے آگے زندگی دستِ طلب پھیلائے گی

میں وہ راہی ہوں سفرِ تاحشر جاری ہے مرا
زندگی تو ساتھ میرے اب کہاں تک آئے گی

ہوش میں رہ کر نہ ڈھونڈو اپنی ہستی کا سراغ
سرحدِ ادراک سے گزرو تو منزل آئے گی

چھوڑ کر اپنے خدا کو زندگی در در نہ پھر
اس طرح کس کس کے آگے ہاتھ تو پھیلائے گی

فیض ہے چشمِ بصیرت کا کسی کی دوستو
ٹھوکر دے میں خود ہے دنیا ہم کو کیا ٹھکرائے گی

عظمتِ انسانیت کی کیا حفاظت ہو سکے
زندگی جب زندگی کے نام سے گھبرائے گی



خوشیوں میں بھی لفظوں کا ایک دفتر ہے
نگاہِ وقت میں عہدِ وفا کا منظر ہے

نہ مجھ کو فکرِ جہاں ہے نہ خوفِ محشر ہے
گھٹا ہے زلفِ دہنِ غنچہ آنکھ کا غریب ہے
تمہارا حسنِ مجسم بہار ہے گویا
نہ کیفِ شام نہ صبح بہار کا منظر
کبھی تو آؤ ذرا تم غریب خانے پر
ہر ایک منزلِ مشکل سے میں گذر جاؤں
تمہاری یاد نے بزمِ حیات ہلادی
تمہارے نقشِ قدم کا یہ صدقہ ہے گویا
خیالِ فکر کی شیشہ گری سے کیا حاصل
نہ جائے میری غزل بے ہنر کی محفل میں

تمہارا دستِ کرم اب بھی میرے سر پر ہے
جالِ دوست تو رنگین غزل کا پیکر ہے
تمہارے سامنے شرمندہ ہر گل تر ہے
پہری سانس میں پوشیدہ ایک نشتر ہے
تمہاری راہگزر میں غریب کا گھر ہے
تو میرے ساتھ ہے اے دوست مجھ کو کیا ڈر ہے
ہر ایک سانس میں خوشبوئے مشکِ مجنن ہے
ہماری راہگزر آج بھی منور ہے
یقینِ دل میں نہیں ہے تو دل بھی پتھر ہے
ہر ایک لفظ مرا مثلِ لعل و گوہر ہے

جگر کا خونِ ریا جس نے شاعری کو ضمیر
اسی کے دم سے عیاںِ عظمتِ سخنور ہے



مانا کہ میں اسیرِ الم عمر بھر ہوا
 لیکن ترے خیال سے کب بے خبر ہوا
 یہ کس مقام پر مجھے لے آئی زندگی
 جس سمت دیکھتا ہوں وہی جلوہ گر ہوا
 ہر منزلِ حیات قدم چومنے لگی
 جب سے ترا خیال مرا ہم سفر ہوا
 اس کو پناہ مل نہ سکی کائنات میں
 جو ترے در سے اُٹھ گیا وہ در بدر ہوا
 جب سے خیالِ یار میں کھو گیا ضمیر
 اپنا خیال کھرنے مجھے عمر بھر ہوا



ہم ہیں دیوانے وہ ہیں فسرزائے
 کس کا کیا حال ہے خدا جانے
 پیاسے پیاسے ہیں خود ہی پیمانے
 اجڑے اجڑے ہوئے ہیں میخانے
 کیسے سمجھوں میں اجنبی خود کو
 لوگ ملتے ہیں جانے پہچانے
 ان کو سینے سے ہم لگاتے ہیں
 جن کو ٹھکرا دیا ہے دینانے
 چشم ساقی کی ہریانی سے
 رقص کرنے لگے ہیں پیمانے
 آپ کو وقت خود بتا دے گا
 کون اپنے ہیں کون بیگانے
 رسم کیسی ہے یہ محبت کی
 آگ میں جل رہے ہیں پروانے
 زندگی اے ضمیر اس کی ہے
 تیری آواز کو جو پہچانے



جذبہٴ عشق بتا وقت وہ کیسا ہوگا
 سامنے نظروں کے جب یار کا جلو ہوگا
 روئے روشن سے نقاب آپ اٹھا کر دیکھیں
 میری دنیا میں اجالا ہی اجالا ہوگا
 ہم نے ہر راز کو سینے میں چھپا یا لیکن
 کس کو معلوم تھا یوں عشق کا چرچا ہوگا
 تو نے صورت نہ دکھائی تو یہ صورت ہوگی
 تیرے دیوانے کا محفل میں تماشا ہوگا
 ہے ترا عکسِ حسین میرے ہی دل میں پنپا
 تو نے یہ آئینہ شاید نہیں دیکھا ہوگا
 اس کی پہلی ہی نظر نے کیا دیوانہ ضمیر
 یہ ہے آغاز تو انجام بھلا کیا ہوگا



وہ آئے ہیں مرے گھر میں یہ تاثیرِ محبت ہے
 کرم ہے ہر مانی ہے نوازش ہے عنایت ہے
 میں جب بھی آئینہ دیکھا تو تو ہی تو نظر آیا
 یہ صورت ہو گئی ہے میری صورت تیری صورت ہے
 تجھے خود میں سنا کر اپنا جلوہ دیکھ لیتا ہوں
 میری ہستی بجز تیرے نہ ہونے کی عکاس ہے
 تمہارا دیکھ کر جلوہ دلوں سے گرتے ہیں سجدہ
 تمہارے عاشقوں کی بس ایسی طرزِ عبادت ہے
 خدا لازم اگر بشیرا تو پھر ملزم ہے بندہ
 اے اس کی ضرورت ہے اے اس کی ضرورت ہے
 ضیاءِ انبیا تعارفِ کچھ ہو لیکن نام ان کا ہے
 انہی کی زندگی ہے زندگی کو ان سے نسبت ہے



عجب رنگِ زمانہ ہے کیا کیا جائے
ہر ایک بس یہی کہتا ہے کیا کیا جائے

ہر ایک ذرہ میں جلوہ ہے حسنِ کاتر	مگر نگاہ بہ پردہ ہے کیا کیا جائے
میں تجھ اور تو مجھ میں ہے یہ حقیقت ہے	مگر یہ عشا تو رسوا ہے کیا کیا جائے
زمانہ ڈرتا تھا سایہ کو دیکھ کر جس کے	وہ اپنے سائے سے ڈرتا ہے کیا کیا جائے
سمجھ رہا ہے زمانہ جسے مراقبات	وہی تو میرا میسج ہے کیا کیا جائے
میں گر دریاہ نہیں ہوں چراغِ منزل ہوں	تو مجھ کو چوڑے بھٹکا ہے کیا کیا جائے
میں کیا بتاؤں کہ کیا کیا کیا ہو کیا کیا	تو صرف ہر گھڑی کہتا ہے کیا کیا جائے
جلتا رہا ہے زمانہ کئی چراغِ مگر	ہر ایک سمت اندھیرا ہے کیا کیا جائے
وہ تجھ کو جان کے بھی جانتا نہیں تجھ کو	وہ آنکھ رکھ کے بھی اندھا ہے کیا کیا جائے

صنیرِ زندہ رہے وہ بھی اس زمانے میں
ہر ایک کو خواہشِ دنیا ہے کیا کیا جائے



اک اجالا جو کوئی وقفِ نظر ہوتا ہے
 مجھ سے بڑھو کہ وہی زخمِ جگر ہوتا ہے
 دل پہ جب دردِ محبت کا اثر ہوتا ہے
 جو ادھر حال ہوتا ہے وہ ادھر ہوتا ہے
 بزمِ احساس میں روشن ہے چرخِ امید
 پھر بھی کیوں دل کا جاں زیر و زبر ہوتا ہے
 روئے تاباں پہ بکھر جاتی ہیں زلفیں جس دم
 پردہٴ شب میں لہاں نورِ سحر ہوتا ہے
 چوٹ لگتی ہے جب احساسِ محبت پہ کبھی
 فکرِ شاعر میں قیامت کا اثر ہوتا ہے
 آپ رسوا ہوئے کس طرح محبت میں ضمیر
 آپ کی بات میں جب حق کا اثر ہوتا ہے



دل کی روداد نگاہوں سے سنادی جائے
ان نیکے حرف کی تحریر پڑھادی جائے

کیا ہوئی ہم سے خطا پہلے بتادی جائے
بعد جو آپ کا جی چاہے سزادی جائے

میرے اشعار سے گونجی ہے قہدا کی صدا
ہو سکے تو مری پہچان مٹادی جائے

سفرِ عشق میں ہے آبلہ پائی لازم
راہِ چرخار کو گلزار بنادی جائے

اشک تو غم کی امانت ہیں بھالے رکھنا
یہ وہ دولت تو نہیں ہے جو لٹادی جائے

ڈال طوفان میں کشتی کو تو ڈھٹا کیا ہے
کیا عجب غیب سے یہ پار لگادی جائے

فرق کیا نظم و غزل میں ہے بتانے کے
ایسے ضمیر آج غزل اپنی سنادی جائے



پایا ہے اہلِ دل نے اعزازِ زندگی کا
 کھتا ہے اہلِ دل ہر رازِ زندگی کا
 اس کی صدا جلائے ہر شمعِ آرزو کو
 جادو اثر ہے ایسا یہ سازِ زندگی کا
 جینے کو جی رہا ہے تو جانتا کہاں ہے
 انجامِ زندگی کا آغازِ زندگی کا
 اے آنے والے آجا اب بھی ہے وقتِ بجا
 خاموش ہو نہ جائے یہ سازِ زندگی کا
 ہم سے ضمیر اکثر ہر حادثہ ملا ہے
 ہم جانتے ہیں کیا ہے اندازِ زندگی کا



کہتے ہیں میرا ذکر سہرا بجن ابھی
 بدلا مزاج شاعری عصرِ جدید نے
 بکھرے ہوئے پڑے ہیں کئی پھول راہ میں
 گھرا رہے ہیں آپ اندھیروں کے لئے
 دل کے کھنڈر میں دیکھ دریا دکھل کر
 حاصل اگر ہے چشم بصیرت تو دیکھ لے
 اے دل بھل کے تلخ نہو طرہ گفتگو
 بھولے نہیں مجھے مرے اہل وطن ابھی
 باقی رکھا ہے ہم نے غزل کا چلن ابھی
 گزرا یہاں سے کیا کوئی رشک چین ابھی
 روشن ہے ہزم میں مری شمع سخن ابھی
 محو کلام ہو گا کوئی سیم تن ابھی
 موجود ہیں جہاں میں کئی اہل فن ابھی
 بیٹھ ہے پاس آ کے رہ شیریں سخن ابھی

زندہ ضمیر لوگوں سے اک بار مل کے دیکھ
 چکے گی تیرے سامنے حق کی کرن ابھی



جب بھی قلم غزل پہ اٹھانا پڑا مجھے
 احساس کا چیرلغ جلانا پڑا مجھے
 ہر پردہ حجاب اٹھانا پڑا مجھے
 جب حوصلہ نظر کا دکھانا پڑا مجھے
 ترکِ تعلقات کی منزل۔ کچھ بعد بھی
 اکثر اسی کے کوچے میں جانا پڑا مجھے
 تاریک انجمن ہے چراغوں کے باوجود
 شمع و فاکوئوں سے جلانا پڑا مجھے
 خود مجھ سے مجھ کو مانگ لیا حادثات نے
 اپنے ہی ہاتھوں خود کو لٹانا پڑا مجھے
 خاموشیوں کو دے کے غمِ عشق کی زباں
 پر دم میں حال دل کا چھپانا پڑا مجھے
 ملتا نہیں ہر ایک سے دل جلتے ہوئے
 پھر بھی ہر اک سے ہاتھ ملانا پڑا مجھے
 زندہ ضمیر ہے مرا یہ ظرفِ دیکھنا
 دشمن کو بھی گلے سے لگانا پڑا مجھے



کوئی یزگی میری اور نہ روشنی میری
 ترے دم سے چلی ہے سانس ہر گھڑی میری
 تجھ کو دیکھتے رہنا ذکر تیرا کر لینا
 یہ ہے زندگی میری یہ ہے بندگی میری
 کتنے جام چھلکے ہیں سامنے لگا ہوا کج
 شکر ہے سلامت ہے اب بھی تشنگی میری
 آپ اپنی محفل سے بچھ کر ذرا دیکھیں
 کیا کبھی ہوئی پوری بزم میں کچی میری
 ظاہری چمک پر ہے اب نظر زانے کی
 سب میں کر گئی رسوا محجہ کو سادگی میری
 کوئی رازِ دل میرا آج تک نہیں سمجھا
 اے ضمیر کام آتی کاش شاعری میری



اہل دل سے حالِ دل آپ کیوں چھپاتے ہیں
یہ تو کل کی باتوں کو آج ہی بتاتے ہیں

حوصلہ زمانے کو اس طرح دکھاتے ہیں
بجلیوں کی زد پہ ہم آشیاں بناتے ہیں

دسم دوستی اکثر لوگ یوں نبھاتے ہیں
دل سے دل نہیں ملتا ہاتھ تو ملاتے ہیں

دل جہاں پہ لوگوں کے خود ہی ڈوب جاتے ہیں
ہم تو ایسی منزل پر راستہ دکھاتے ہیں

دہ چمن برستوں میں کیسے ہو گئے شامل
جو بھری بہاروں میں آشیاں جلاتے ہیں

کیوں مذاق اڑاتی ہے اے بہار تو اپنا
دیکھ بھول ہنستے ہیں غنی مسکراتے ہیں

راستے دفاؤں کے ہم سے ہو گئے روشن
ہم چراغِ نقشب پائے ہر جگہ جلاتے ہیں

شہر کی فضاؤں میں اک نکھار آتا ہے
خونِ دل ضمیر اپنا جب بھی ہم بہاتے ہیں



حسن کی زیر نگینوں کا بانگین اچھا لگا
گلبدن غنچہ بہن رشک چین اچھا لگا

حسن کے معنوں میں لفظوں کا بدن اچھا لگا
لے غزل مجھ کو تو را یہ بانگین اچھا لگا

سب میں رہ کر بھی نظر آنے لگا سب سے الگ
اس لئے مجھ کو چراغِ انجمن اچھا لگا

خار کی توہین ہے نہ بھول کی تحسین ہے
زندگی ترے چین کا یہ چین اچھا لگا

گھر جلا کے میرا گھر میں چراغاں کر دیا
یہ طریقہ آپ کا اے ہم وطن اچھا لگا

ہستے ہستے روڑا در روتے روتے ہنس پڑا
عشق میں تیرا مجھے دلوانا نہ بن اچھا لگا

رفتہ رفتہ ان کے دل پر بھی اثر ہوتا گیا
اے ضمیر اپنا یہ اندازِ سخن اچھا لگا



آپ کا انتظار ہے اب تک
 دل بہت ہے قرار ہے اب تک
 وعدہ کر کے بھی وہ نہیں آئے
 وعدہ کا اعتبار ہے اب تک
 پھر نہ آیا ہمارے بعد کوئی
 کیا وہی رہ گزار ہے اب تک
 آشیاں جل کے مد میں گزریں
 برق کیوں شعلہ بار ہے اب تک
 فصلِ گل آئی ہے گستاں میں
 کیوں فضا سو گوار ہے اب تک
 جانے والے چلے گئے لیکن
 خالی دل کا دیا رہے اب تک
 جس نے ہم کو بھلا دیا دل سے
 اے ضمیر اس سے پیار ہے اب تک



اشعار اگر ہم کی محفل میں سناریں
حالات کے آئینوں کو ہاتھوں میں تھاریں

لفظوں کی دکانوں میں تجھے کچھ نہ ملے گا
مل ان سے حقیقت میں خلا سے جو ملادیں

جو عشق کی منزل ہے وہ ملی نہیں سب کو
یہ شرط ہے آپ اپنے کو دیوانہ بنادیں

اک خاک نشیں بندہ تاجیز میں لیکن
ہم چاہیں تو سر قدموں پہ شاہی جھکا دیں

اوروں کے سدا عیب دہنڑھونڈنے والے
خود راہِ عمل پر کبھی چل کر توبتادیں

سہمے ہوئے حالات کے ماروں کیہ کہہ دو
طوفانوں میں ایماں کی ذرا شمع جلا دیں

زندہ ہے ضمیر اپنا تو آواز سے اس کی
سوئے ہوئے آفتابوں کو غفلت سے جگا دیں



میں نے تو ہر اک غم میں ترا نام لیا ہے
یہ تیرا کرم ہے جو مجھے ختام لیا ہے

پیتا ہوں تری مست نگاہی سے اے ساقی
ساغر نہ مرا جی نہ کوئی جام لیا ہے

افسانہ ہستی کے لے اے غمِ دوراں
آغاز لیا ہم نے نہ انجام لیا ہے

یہ درد یہ آنسو یہ ترطبی ہوئیں آہیں
یہ بارگاہِ عشق سے انعام لیا ہے

پیمانے خود اطرافِ صبر کے گھوم رہے ہیں
میخانے میں ساقی نے مرا نام لیا ہے

پیتے ہی جسے کھلتے ہیں اسرارِ دو عالم
ساقی کی نگاہوں سے دہی جام لیا ہے

اس وقت ضمیر اپنے لبوں پر تھا تبسم
جب زندگانے موت کا پیغام لیا ہے



ہم تو ہر بات کو بے خوف و خطر کہتے ہیں
لوگ حق کو بھی یہ الفاظِ دگر کہتے ہیں

گیو و رخ کو ترے شام دھر کہتے ہیں
ہم تری دید کو معراجِ نظر کہتے ہیں

موت منزل نہیں اک اعرحہ ہے رستے کا
اس کو دنیا سے گذرنے کا سفر کہتے ہیں

غم پہ اوروں کے چھلکتے ہو آشکوں کا
کہنے والے تو انہیں لعلِ دگر کہتے ہیں

نازکسِ منہ سے کرے اپنے ہنر پر کوئی
آج تو عیب کو بھی لوگ ہنر کہتے ہیں

دُوب جاتے ہیں خموشی سے محبت والے
اس لئے ہم تیری آنکھوں کو بھنور کہتے ہیں

نہ دغا ہے نہ حجت نہ مروت نہ خلوص
جو بشرِ ایا ہو کیا اس کو بشر کہتے ہیں

اے ضمیر اس لئے ایمان ہے منزلِ تیری
حق پرستی کا اسے لوگ اثر کہتے ہیں



تو عبث اس کی جستجو میں ہے
وہ نہاں شہِ رگِ گلو میں ہے

حسرتوں میں نہ آرزو میں ہے	لطف ملنے کا دو بہ دو میں ہے
نفس کو مارِ زندگی کے لئے	تیسرا دشمن تیرے لہو میں ہے
کیوں میں منزل کو ڈھونڈنے جاؤں	وہ تو خود میری جستجو میں ہے
حسنِ دالوں میں بے وفائی ہے	اور وفا عاشقوں کے خوابوں میں ہے
جانِ گلشن ہے تیری رعنائی	تو ہر اک گل میں رنگِ دلوں میں ہے
پی رہا ہوں میں آنکھوں آنکھوں سے	وہ کہاں جام میں سبو میں ہے
زندگی کا پیام دیتی ہے	وہ روانی جو آبِ جو میں ہے
تجھ کو دیوانگی نے پہچانا	عقل حیرانِ جستجو میں ہے
موت کا نام ہے سکوتِ حیات	زندگی شورِ بادِ دہو میں ہے

ساری دنیا ضمیرِ اب تک بھی
امتیازاتِ ماو تو میں ہے



عکس و ذات کی حد میں آنکھ جو حیرت ہے
 جو تمہاری صورت ہے رہ ہماری صورت ہے
 قربتوں میں دوری ہے دوریوں میں قربت ہے
 اپنی اپنی قسمت ہے اپنی اپنی نسبت ہے
 خونِ دل سے لکھی ہے ہم نے یہ غزلِ حب
 تم قبول کر لیغنا تحفہ پیشِ خدمت ہے
 اس کا فیض جاری ہے آگے مانگنے والے
 بھرے دامنِ مقصد تیری جتنی ہمت ہے
 تیرا فیض کیا کم ہے اور تجھ سے کیا مانگوں
 جو ضمیرِ زندہ ہے یہ تیری عنایت ہے



دل میں رکھنے کے ہیں زخمِ دل دکھانے کے نہیں
جو سرِ مشرغاں چمکتے ہیں یہ وہ تارے نہیں

جو قدام رکھتے ہیں منزل
زندگی کے راستوں میں

ان سے کیا ہوگی توقعِ عظمتِ کردار کی
جو کسی بے کس کو سینے سے لگا سکتے نہیں

انقلابوں نے کہاں پہونچا
غیر بھی کل اپنے تھے آرا

کیوں نذیرِ فصلِ گل دیتی ہے ہم کو زندگی
زخمِ دل وہ پھول ہیں جو کھل کے ہنس سکتے نہیں

جان و دل قربان کر کے
سوچتا ہوں میں یہ سو

رہبری کا ان کو دعویٰ حیف ہے صد حیف ہے
رو قدم بھی اپنے قدموں پر جو چل سکتے نہیں

ان سے خوشبو کی تمنا ہے
ذہن و دل جن کے حجت ہے



کل جو خوشبو کی طرح پھرتے تھے گلزاروں میں
آج وہ قید ہیں خود گھر کی ہی دیواروں میں

نہ ملے گا کوئی اشکوں کے خریداروں میں
لے کر جاؤ نہ یہ موتی کبھی بازاروں میں

ہم گنہگاروں پہ ہر وقت کرم ہے ان کا
نام لکھا نہ بھی اپنا گنہگاروں میں

نہ ملے جام تو پی لیتے ہیں آنسو اپنے
ایسے بھی لوگ ہیں ساقی تیرے میخواروں میں

وہ ہزاروں میں بھی مشکل سے نظر آتے ہیں
نام جن کا نہیں چھپتا کبھی اخباروں میں

بن کے ہم شمع سیر راہ جلا کرتے ہیں
ہم نہیں جاتے کبھی شاہوں کے درباروں میں

جن کے ہاتھوں میں قلم کچھ بھی نہیں لکھ سکتا
نام لکھا ہے کوئی ان کا قلم کاروں میں

زندگی کی تجھے تصویر نظر آئے گی
جا کبھی درد کے مارے ہوئے بے چاروں میں

جس کو کہتے ہیں صنم اس کی ہے منزل حق پر
وہ کہاں ملتا ہے بازاروں میں درباروں میں



کب مٹے گا درِ پیہم کچھ نہ سوچ
ہے عطائے عشق پر غم کچھ نہ سوچ

ان کی نظریں ہم سے ہیں بدلی ہوئیں
ہے مزاجِ یارِ برہم کچھ نہ سوچ

بیٹھے بیٹھے یاد کوئی آگیا
ہو گئی کیوں آنکھ پر غم کچھ نہ سوچ

لذتِ زخمِ جگر محسوس کرو
ہو نہیں سکتا کبھی کم کچھ نہ سوچ

فیضِ رحمن کے در کا ہے یہ جان لے
ہو گئیں ہیں گردِ نینِ خم کچھ نہ سوچ

دیکھ عالم کی حقیقت کو ضمیر
اپنا یہ کیا ہے عالم کچھ نہ سوچ



حسین رُخ ہے تمہارا کیسی چمن کی طرح
 ملا نہ کوئی بھی مجھ کو یہ بانگین کی طرح
 مزہ تو جب ہے سنے خود وہ داستان مجھ سے
 کوئی سخن کہاں لائے مرے سخن کی طرح
 ہنسو کہ ہو گا اجالا ہماری محفل میں
 تمہاری موجِ تبسم ہے اک کرن کی طرح
 ملو تو مجھ سے سنبھل کر ذرا ملو صاحب
 وجود رکھتا ہوں میں ایک انجمن کی طرح
 ہر ایک آنے کو آتا ہے یوں تو محفل میں
 ضحیر آپ تو آئے ہیں اپنی فن کی طرح



تو نے دل میں جو کبھی اس کو اتارا ہوتا
تجھ کو قطرے میں سمند کا نظارہ ہوتا

آپ کی چشمِ کرم کا جو اشارہ ہوتا
عمر بھر کے لئے جینے کا سہارا ہوتا

کچھ تصدق ترے در کا کچھ اتارا ہوتا
بس یوں ہی اپنا زمانے میں گزارا ہوتا

ترے دامن کا اگر ہم کو سہارا ہوتا
دوست تو دوست ہے دشمن بھی ہمارا ہوتا

خود ہی طوفان ترے حق میں کنارہ ہوتا
ڈوبنے والے اگر اس کو پکارا ہوتا

اس کو آنکھوں سے اگر دل میں اتارا ہوتا
پردے کا پردہ نظارے کا نظارہ ہوتا

موت آئی بھی تو مرتا نہیں جینے والا
اے ضمیر اتنا اگر حق کا اشارہ ہوتا



دید سب کچھ ہے اک آدمی کے لئے
ورنہ کیا ہے یہاں زندگی کے لئے

عظمتِ زیست ہے بس اسی کے لئے	زندگی جس کی ہو بندگی کے لئے
لوگ جیتے رہے دشمنی کے لئے	ہم تو مرتے رہے دوستی کے لئے
نقشِ پاچھوڑ کر روشنی کے لئے	آپ گزرے مری رہبری کے لئے
نہ آیا یقین آپ کو غمِ بھر	ہم تو جیتے ہیں اک آپ ہی کے لئے
پھولِ گلشن میں کھل کر چمکا گئے	درسِ عبرت بنے ہر کھلی کے لئے
آؤ، ہم سے ملو آؤ، ہم سے ملو	روشنی کے لئے روشنی کے لئے
حوصلہ چاہیئے ان کے دیدار کو	ان کا جلوہ نہیں ہر کسی کے لئے
یاد میں جن کی ہم جان سے بھی گئے	وہ نہ آئے گھڑی دو گھڑی کے لئے
خونِ دل دے کے روشن کئے ہیں چراغ	زندگی وقف کا شاعری کے لئے

خود تصور سے روشن ہے اپنا ضمیر
ہم ترستے نہیں روشنی کے لئے



میں ہوں بیمار دوا دو کہ میں زندہ ہوں ابھی
 اپنے آنچل کی ہوا رو کہ میں زندہ ہوں ابھی
 وہی آواز وہی ساز وہی محفل ہے
 پھر وہی گیت سنا دو کہ میں زندہ ہوں ابھی
 امتحان میری وفاؤں کا اگر ہے منظور
 دار پر مجھ کو چڑھا دو کہ میں زندہ ہوں ابھی
 موجیں طوفان کی اے دوست ڈلو دیں مجھے
 تم مجھے پار لگا دو کہ میں زندہ ہوں ابھی
 اب تم آئے ہو جفاؤں پہ پیشیاں ہو کر
 مجھ کو احساس دلا دو کہ میں زندہ ہوں ابھی
 جب ضمیر اپنا سلامت ہے تو پروا کیا ہے
 تم زمانے کو بتا دو کہ میں زندہ ہوں ابھی



جہاں میں جس کو بھی خالق بڑائی دیتا ہے
اسے جہاں کے غموں سے رہائی دیتا ہے

ہر ایک سمت مسلط گھنا اندھیرا تھا
مگر وہ دور سے مجھے اس بجائی دیتا ہے

خدا کے نام سے ہر کام اپنا کر ناداں
تو نارسا ہے تو تجھ کو رسائی دیتا ہے

وہ شانِ دیدہ وری بخش دی محبت نے
ہے جلوے پردے میں لیکن دکھائی دیتا ہے

ضمیر سے کوئی بہتر نہیں ہے دوست اپنا
مٹا کے دل سے برائی بھلائی دیتا ہے



اگر ہے جذبہ صادق تو عشقِ کامل ہے
نہیں تو عشق کا دعویٰ جو ہے وہ باطل ہے

نہ وہ زمانہ نہ ہم ہیں نہ اب وہ محفل ہے
نہ راہ رو ہے نہ جاہ نہ کوئی منزل ہے
ہر اک ادبے بلا ہر نگاہ قاتل ہے
حیات و موت کے جو درمیان حائل ہے
ہزار اٹھیں بھی طوفان تو غم نہیں مجھ کو
وہ آنکھ آنکھ نہیں ہے وہ قلب قلب نہیں
اے جانے والے تجھے یہ خبر نہیں شاید
مگر یہ دل ہے کہ اب تک اسی پہ مائل ہے
نقطہ خیالِ سفر زندہ گی کا حاصل ہے
ہمارا دل ہی تو ہے جو ترے مقابل ہے
وہ ایک لمحہ ہی تکینِ دیدہ و دل ہے
حکرم اک آپ کا ہر حال میں خوشاں ہے
ترے خیالِ تری دید سے جو غافل ہے
ترے بغیر میں زندہ رہوں یہ مشکل ہے

ضمیر لوگ ہزاروں ملیں گے ملنے کو
حقیقتاً ہو کوئی درست سمت مشکل ہے



خاموشیوں میں میری عجب بول چال ہے
 توہی جواب ہے مرا توہی سوال ہے
 لکھا ہوا ہر ایک کے چہرے پہ حال ہے
 یہ وہ کتاب ہے جسے پڑھنا کمال ہے
 اے دل توہی بتادے گذر قہے کس طرح
 وہ بوجھتے ہیں مجھ سے مر آنیہا حال ہے
 اب میری زندگی میں اندھیرا نہ آئے گا
 روشن کسی سے محفلِ فکر و خیال ہے
 کیا چال چل سکے گا زمانہ ہمارے ساتھ
 ہم جانتے ہیں کیسی زمانے کی چال ہے
 اسباب سے امید مسبب سے ننا امید
 اے بندہ خدا تجھے کچھ بھی خیال ہے



خبر بھی ہے تجھے یہ زندگی سمندر ہے
تو موجِ غم سے زکُل آ اگر شناور ہے

تمہارا حسنِ مجسم بہار ہے گویا
تمہارے سامنے شرمندہ ہر گلِ تر ہے

کبھی تو آؤ ذرا تم غریب خانے پر
تمہاری راہِ گذر میں غریب کا گھر ہے

خیالِ دُفکر کی شیشہ گری سے کیا حاصل
یقینِ دل میں نہیں تو دل بھی پتھر ہے

نہ جلے میری غزل بے بہر کی محفل میں
ہر ایک لفظِ مراثیِ لعلِ دگوہر ہے

جگر کا خونِ ریا جس نے شاعری کو ضمیر
اسی کے دم سے یہاں عظمتِ سخنور ہے



جلوہ پردہ ہو گیا یا پردہ جسلوا ہو گیا
 دیرہ بے بنا کا محفل میں تماشا ہو گیا
 ترے فیضان بصیرت کا کرشمہ ہو گیا
 اک ترا بیمار دنیا کا سیحا ہو گیا
 فیض نسبت کیا کہوں ادنیٰ بھی اعلیٰ ہو گیا
 جس طرح دریا میں مل کے قطرہ دریا ہو گیا
 میں ترے در کے تصدق میں ترے در کنار
 میرے جینے اور مرنے کا سہارا ہو گیا
 اللہ اللہ عشق کے گلشن کا کیا دستور ہے
 آگ سے تازہ ہوا پانی سے سوکھا ہو گیا
 نقشِ پائے یار ہیں میرے تصور میں ضمیر
 اب مجھے کیا خوف ہے آسان دستا ہو گیا



آنے لگی ہے آہِ بہت گلستان پر
الزام آنے لگے ہیں باعبان پر

تم وہ ہو بیچ آئے ہو غیرت و کان پر
ہم وہ کہ مر گئے ہیں جو خود اپنی آن پر

کی زندگی مری شہر آؤر درخت ہے
پتھر برس رہے ہیں جو میرے مکان پر

اہلِ وفا بھلا نہیں سکتے مجھے کبھی
آؤں گا یاد عشق کے ہر امتحان پر

الفقر و فقری جن کا ہو مقصود زندگی
رکھتے نہیں نظر کبھی سونے کی کان پر

ہم کو خدائے پاک نے بخشا ہے وہ شرف
حق ہے ہمارا اس لئے دونوں جہاں پر

پہلے ہنر سے کہہ دو کریں تبصرہ ضمیر
پابندیاں لگا کے زباں و بیان پر



عزم و ہمت ہیں تو مشکل کے حوالے کر دو
نقشِ پاہر رہ منزل کے حوالے کر دو

ظلم کے آگے جھکاؤ نہ کبھی سراپنا
عظمتِ ذلیلت نہ قاتل کے حوالے کر دو

خود ہی کھل جائیں گے اسرارِ محبت تم پر
عقل کو پیے ذرا دل کے حوالے کر دو

جہدِ بیہم سے ہوا کرتی ہے مشکل آساں
زندگی کو ذرا مشکل کے حوالے کر دو

زندگی کی اسے تصویر یہاں دکھلا دوں
لاؤ اس کو سری محفل کے حوالے کر دو

مصلحتِ کوشش ہیں سوداگرِ دین و ایمان
بھول کر حق کو نہ باطل کے حوالے کر دو

خود ہی سن لیں گے صدائیں وہ ضمیرِ حق کی
تم نہ ان کو کبھی باطل کے حوالے کر دو



ان کو دعویٰ ہے بہت حق کی پرستاری کا
امتحان دے نہیں سکتے جو وفاداری کا

تیرے دیوانے سے ملے ہوئے گھبراتے ہیں
مجھ کو لے جاؤ نہ زرد اردوں کی مفل پر گیا
آج پھرتے ہیں وہی شہر کے بازاروں میں
انقلابات کی کچھ تم کو خبر ہے کہ نہیں
خونِ دل خونِ جگر خونِ وفا سے لکھو
عظمتِ فکر و نظر تیرا خدا حافظ ہے
ذہنِ ددل ہو گئے مفلوجِ خدا خیر کے
ہم کہاں جائیں گے اب سادہ زاجی لکھ کر
ہے فقط آپ کے دامن کا سہارا مجھ کو
یہی دیوانہ سبق دیتا ہے ہشیاری کا
چھوٹ سکتا نہیں دامن مری خودداری کا
جن کے رخ پر کبھی پردہ تھا حیا داری کا
خوابِ غفلت سے اٹھو وقت ہے بیداری کا
شاعری نام ہے جذبات کی گلکاری کا
شاعری بن گئی اک مشغلہ بے کاری کا
اب میسل ہے کہاں روح کی بیماری کا
آج کے دور میں فن عام ہے مکاری کا
وردنہ دفتر ہے سرِ حشر سید کاری کا

اے ضمیر اپنی حقیقت کا اجالا دے دے
سایہ ہر سو نظر آتا ہے گنہ گاری کا



یا الہی خیر ہو کیا دور ہے آیا ہوا
جو ملا مجھ سے وہ اپنے پر ہے آرایا ہوا

کس کے دل میں آشیان کا ہے خیال آیا ہوا	برق کا دامن ہے ہر سو آج لہرایا ہوا
بن کے دیوانہ تری محفل میں ہوں آیا ہوا	اک اشارے پر تیرے سب کچھ ٹاٹکتا ہوں میں
میرے گھر میں توانہ دھڑلے مگر چھایا ہوا	انجمن در انجمن روشن کئے میں نے چراغ
جو زمانے میں زمانے کا ہے ٹھکرایا ہوا	میں نے سینے سے لگایا اس کو بھی اے دوستو
تو ہے میرے مہمانے سا غریب ست آیا ہوا	ہے کرم ساقی ترا ہر بزم میں ہر حال میں
اب غزل کے رخ پہ ہے رنگیں نکھار آیا ہوا	میرے خونِ دل کو کپ کر لفظ موتی بن گئے
میرا دشمن میرا قاتل میرا ہم سایا ہوا	قتل کا الزام کیسے دوں یہ بتلائے کوئی
پرچمِ شعر و سخن ہر سو ہے لہرایا ہوا	حیدر آباد کن میں اب بھی اردو کی قسم

جس کو بچنے کا سلیقہ تک نہیں ہے اے ضمیر
ہاتھ میں اس کے جھلکتا جام ہے آیا ہوا



کوئی چن میں ہے نہ کوئی انجن میں ہے
دیوانہ تیرا منزلِ دارو رسن میں ہے

ایسی بہارِ حسن مرے گلبدن میں ہے	برق و شرر کا رقص نہاں پیرہن میں ہے
اردو کی سرخ روئی جو ملکِ دکن میں ہے	خونِ جگر کا رنگ ہمارے سخن میں ہے
جب تو نہیں تو کچھ بھی نہیں کائنات میں	لطفِ بہار تجھ سے چن درچن میں ہے
دیکھا تھا بجليوں کو کبھی ان کی آنکھ میں	اک آگ سی لگی ہوئی اب تک بدن میں ہے
اٹھو اے غافلو یہ تقاضا ہے وقت کا	درسِ حیات صبح کی پہلی کرن میں ہے
رویا ہوں اس قدر کہ نہی لب پہ آگئی	آرام اس لئے مجھے دیوانے پن میں ہے
ہم مر گئے تو مردہ سمجھے ہیں بے خبر	آغازِ نو حیات کا گویا کفن میں ہے

تو بھی صدا صدائے حقیقت ہے اے ضمیر

آوازِ حق کی تیری زبانِ دہن میں ہے



میں تو ڈوبا تھا مگر تم نے ابھارا ہے مجھے
جانتا ہوں یہ کرم صرف تمہارا ہے مجھے

میرے دل میں ہیں نہاں کون دھماکے جگمگ
تو نہ ددوق نظر دعوتِ نظارہ مجھے

فکر جینے کہ ہے مجھ کو نہ تو غم مرنے کا
دو جہاں کے لئے اک تیرا سہارا ہے مجھے

تو نے کچھ ایسی محبت کا نظر بخشی ہے
میں جدھر دیکھوں ادھر تیرا نظارہ ہے مجھے

یہ عجب ربط محبت ہے کوئی کیا جانے
میرے دل کو تو کبھی دل نہ پکارا ہے مجھے

میرے صبیائے محبت میں ترا عکس ہیں
گاہ شبنم ہے مجھے گاہ شرار ہے مجھے

میں سمجھتا ہوں یہ خاموش نگاہوں کی زبان
اے ضمیر! جنہی نظر دل نے پکارا ہے مجھے



نگاہِ وقت اگر بدلی کبھی
نظر آتے ہیں اپنے اجنبی سے

میں واقف ہوں رموزِ بے خودی سے	مجھے کیا واسطہ ہے مہکشی سے
بھروسہ زندگی پہ کرنے والے	تو واقف ہی نہیں ہے زندگی سے
وہ تجھ میں اور تو اس میں ہے لیکن	پتہ مل جائے گا تجھ کو تجھی سے
تو اپنا خونِ دل دے دے چمن کو	بہار آجائے گی اے دل ابھی سے
غزل تو خون مانگے ہے جگر کا	توفن کو دور رکھنا شاعری سے
ہے لاکھوں میں بھی کوئی ایک الیا	طاردے آدمی کو آدمی سے
ہجومِ آہ سے ٹوٹے نہ اک دن	بندھاتا نفس ہے زندگی سے
تو میرے شعر ہی میں دیکھ مجھ کو	ملا ہے آئینہ یہ شاعری سے

ضمیرِ آن بے ضمیروں سے تو کہہ دے
جو ہیں محروم حق کی روشنی سے



ہر شے تمہاری بولتی تصویر بن گئی ہے
میری نظر کی اس طرح تقدیر بن گئی ہے

خاموش آرزوؤں کی تفسیر بن گئی ہے
میری غزل اب آپ کی تصویر بن گئی ہے

خونِ جگر میں ڈوب کے ابھری ہے شاعری
تاریکیوں میں فکر کی تنویر بن گئی ہے

نابینا کو بھی دیدہ بینا عطا ہوا
خود خالکِ پابھی آپ کا اکسیر بن گئی ہے

بڑھنے کا فن ہے تجھ میں تو چہرے کو پڑھ ضمیر
آواز دل کی چہرے کا تحریر بن گئی ہے



کہیں زلف کھول کر رہ لبِ بام آنہ جائے
 ججہ زندگی سمجھ کر میں نے عمر بھر پکارا
 کبھی جذبہٴ محبت تو زبان نہ کھول اپنی
 ہو جاں پہ سر بسجود یہ وقارِ آدمیت
 مجھے آج زلفِ برہم تری یاد آ رہی ہے
 کبھی آس ڈوبتی ہے کبھی نبض ڈوبتی ہے
 سرِ خشر دیکھتا ہے مجھے بار بار کوئی
 میں نظر سے پی ہا ہوں یہی میٹھی کھڑک
 میں فسانہٴ کُنجِ دل تجھے کس طرح سناؤ
 مجھے خوف ہے مرادِ تہ دام آنہ جائے
 مہرے لب پہ آہ بن کر ہی نام آنہ جائے
 وہ اٹھا کے رخ سے پردہ سرِ عام آنہ جائے
 مہری راہِ زندگی میں وہ مقام آنہ جائے
 مری زندگی کی آخر کہیں شام آنہ جائے
 کہیں اے اجلی زباں برتر نام آنہ جائے
 اسے خوف ہے کہ اس کا کہیں نام آنہ جائے
 مری سحت دیکھ ساقی کوئی جام آنہ جائے
 کہیں لب پہ آنسوؤں کے ترانام آنہ جائے

اے ضمیر وقتِ مشکل تو پکار اپنے رب کو
 میں سزا قبول کر لوں جو یہ کلام آنہ جائے



پیشِ نگاہِ عارضِ گوگسوار ہیں دم
اپنی یہ صبح صبح ہے اپنی یہ شام شام

میرا کرم کہ تو نے نوازل ہے وہ مقام	منزل دکھائی دینے لگی مجھ کو زیرِ کام
ساتی بگڑے رہ گیا میخانے کا نظام	پیاسے ہیں خود ہی مینا سبو خمِ مراحِ جام
تم کو بھلا سکوں یہ تو ممکن نہیں رہا	تم ہم خیال و ہم زباں ہم راز و ہم خیال
کھونے کی کچھ خبر ہے نہ پانے کی کچھ خبر	یہ سوچتا ہی رہ گیا میں زندگی تمام
پہچانے ہیں صاحبِ علم و ادبِ نجی	مجھ کو یہ غم نہیں ہے کہ واقف نہیں علوم
خونِ جگر ہے میرا ہر اک پھول کے لئے	کس کا چین ہے سوچنا میرا نہیں ہے کام
اے جینے والو تم سے یہ کہتی ہے ہر گھڑی	کرو بھلائی کچھ یہاں دو روزہ ہے قیام
محفل میں بیٹھے ہیں جگہ خاص دیکھ کر	پہلے کسی کے دل میں تو پیدا کریں مقام

ہم کو مٹا سکا نہ زمانہ کبھی ضمیر
زندہ رہے گا ہم سے وفا کا ہمیشہ نام



گجھرا کے جھٹ روتے ہیں ہم موت کے در سے
 حال تکہ ہیں واقف بہت انجام سفر سے
 گذرا ہوں میں اس طرح تری راہ گذر سے
 اپنوں نے بھی دیکھا مجھے غمروں کی نظر سے
 دیکھو تو بہت دور یوں میں اپنے ہی گھر سے
 سمجھو تو صدا آتا ہے دیوار سے در سے
 مانا کہ یہ اپنوں کی ہی بستی ہے مگر دوست
 پتھر مری سمیت آتے ہیں ہر بار کدھر سے
 اے گردشِ دوراں نہ دکھا مجھ کو تو آنکھیں
 گذرے ہیں ستم کے کئی بادل مرے سر سے
 دیتے ہوئے تسکین بھی تسلی بھی دعا بھی
 وہ دوست کے انداز سے نکلے مرے گھر سے
 ہلکی ہوئی زلفوں سے معطر ہیں فضا میں
 محسوس یہ ہوتا ہے وہ گذرے ہیں ادھر سے
 دنیا مرے دل کو ہے ضیاء بار ابھی تک
 اک بار وہ اترے تھے مرے دل میں نظریے
 دنیا نے ضمیر اس کو کہا سرخ سویرا
 ٹپسکا ہے لہو جب بھی مرے دیدہ ترے



تو ساتھ جب بھی رہا تیرگی نہیں آئی
 حقیقتوں کے سوا کچھ نہیں ہے شعروں میں
 یہ کہکشاں یہ شفق اور یہ چاند تاروں میں
 ہر اک گام مرا آشنائے منزل ہے
 کیا تھا جشن چراغاں کا اہتمام بہت
 تو دیکھ چشم بصیرت سے دل کا آئینہ
 بہارِ گل کا ہو ہے رگوں میں کانٹوں کی
 کسی کے نام سے قائم اگر حیات نہیں
 ترے بغیر کبھی روشنی نہیں آئی
 مبالغہ کا مجھے شاعری نہیں آئی
 ہمارے حسن کی ہی دل کشی نہیں آئی
 مرے قریب کبھی گھر ہی نہیں آئی
 ترے بغیر کبھی روشنی نہیں آئی
 چراغِ طور میں یہ روشنی نہیں آئی
 یہ کیا کہ کانٹوں کو اب تک نہیں آئی
 سمجھ لو خود تمہیں وابستگی نہیں آئی

تلاشِ منزلِ حق میں بھٹکتے پھرتے ہیں
 قریب جن کے کبھی حق آرسی نہیں آئی



مرے خدا تو بتا دے یہ امتحاں کب تک
 گرے لگ میرے نشین پہ بجلیاں کب تک
 نہ کوئی طرز نیل ہے نہ کوئی بات نئی
 سناؤ گے وہی فرسودہ داستان کب تک
 یہی سمجھ کے مجھے امتحان دینا ہے
 رہے گا مجھ سے زمانہ یہ بدگماں کب تک
 نہ کوئی راہ نما ہے نہ کوئی منزل ہے
 بھٹکتا ہو نہی رہے گا یہ کارواں کب تک
 ہماری کشتی امید ہے تھپیڑوں میں
 یہ دیکھنا ہے رہے گی رواں دواں کب تک
 ضمیر ہم کو وفا کا صلہ نہیں ملتا
 ہمارا خون وفا جائے رائیگاں کب تک



وہ عظمتِ انساں کچھ پایا نہیں کرتے
 غمروں کو محبت سے جو اپنا نہیں کرتے
 بیمارِ محبت کا مداوا نہیں کرتے
 تم کیسے مسیحا ہو کہ اچھا نہیں کرتے
 دنیا ہی میں ہیں پر خواہشِ دنیا نہیں کرتے
 جس باتیں دھوکے وہ سودا نہیں کرتے
 ہے ناز بہت ان کو بحث اپنے مہر پر
 فنکارِ توفیق کا کبھی دعویٰ نہیں کرتے
 کیا ان سے توقع ہو بھلا دادِ سخن کی
 جو شعر کے مفہوم کو سمجھا نہیں کرتے
 حق اپنے پڑوسی کا ادا خاں کریں گے
 جو اپنے ہی گھر کو کبھی دیکھا نہیں کرتے
 وہ حق عبارت کو ادا کیسے کریں گے
 بھولے سے بھی جو شکر کا سجدہ نہیں کرتے
 بنیاد کے پتھر کا طرح رہتے ضمیرِ آب
 یوں اپنی بڑائی کا تماشا نہیں کرتے



جب بھی خیال آیا ہے گیسوئے یار کا
 روتے ہیں پھوٹ پھوٹ کے پاؤں کے آبلے
 امید کی کرن نظر آئی تو کیا کروں
 ہر دلِ غِ دل کو رشکِ گلستاں بنائے
 پیتا ہے گھول کر غمِ دُوراں کی تانیاں
 بنیادِ آشتیاں کی الہی کہاں رکھوں
 اس کو جہاں میں اہل جہاں بوجھتے ہیں کب
 ناحق پرست کیلئے پھولوں کا فرش ہے
 منظرِ نظر میں پھر گیا ابر بہار کا
 آتا ہے جب خیال تیری رنگداز کا
 جب پی لیا ہے زہرِ شبِ انتظار کا
 کیوں رو رہا ہے تھام کے دامنِ یار کا
 ساقی یہ حوصلہ ہے ترے بادِ غوار کا
 ہر سمت دورِ دورہ ہے برقِ دُشوار کا
 کیا حال بوجھتے ہو غریبِ الدیار کا
 اور حق پرست کے لئے رشتہ ہے دار کا

خطرہ جہاں کہیں ہو وہیں آشتیاں رہے
 یہ حکم ہے ضمیرِ دل و ضمیرِ دار کا



ہر ہر نفس کو برسرِ پیکار دیکھئے
ہر زندگی پہ موت کے آثار دیکھئے

ہر ایک سانس بن گئی تلوار دیکھئے
یہ عالم مفارقتِ یار دیکھئے

یہ انقلابِ وقت کی رفتار دیکھئے
ویران کتنے ہو گئے گلزار دیکھئے

کب سے ہوں منتظر نگہ التفات کا
اک بار تو ادھر مرے سرکار دیکھئے

شاید اسیرِ نرغہِ شبستِ سحر اچھی
سُتر کتنے چل رہے ہیں بہر دار دیکھئے

بھر لفتِ جفا کو ترستی ہے زندگی
دل بکھر ہوا ہے غم کا طلب گار دیکھئے

شرطِ سفر کے ساتھ جو عزمِ سفر بھی ہو
کس طرح راہ ہوتی ہے ہموار دیکھئے

ہم تو دفا کے نام پہ قربان ہو گئے
اہلِ جہاں یہ شوق کا معیار دیکھئے

کیفِ حیاتِ موردِ محبت کے ساتھ رہو
خواجہِ ضمایر کے ذرا اشعار دیکھئے



وہ کبھی روشنی سے مل نہ سکے
جو غم تیرا سے مل نہ سکے

آپ کے در سے اُکھٹ کے دیوانے	پھر کبھی زندگی سے مل نہ سکے
جس کی ہر انس میں پرستش کی	ہم اسی اجنبی سے مل نہ سکے
پاسِ انسانیت رہا ہر دم	یہ بھلی یہ بُری سے مل نہ سکے
ان کا جینا بھی کوئی جینا ہے	جو کبھی آپ ہی سے مل نہ سکے
ضبطِ غم سے رہیں ملاقاتیں	ہم غمِ برہمی سے مل نہ سکے

شکوہ غیروں سے کیا کریں گے ضمیر
دوست بھی دوستی سے مل نہ سکے



تیرا دیوانہ ترے عشق میں کیا ہو بیٹھا
تو اگر ساتھ مرے ہے تب مجھے کیا پروا
وقت کا ہے یہ تقاضا یا سمجھ کا دھوکا
آپ آئینکے یا آئے گی اجل کیا معلوم
ہم کو تجھ سے تو شکایت ہی نہیں ہے کوئی
کتنا امنول ہے جو درد دیا ہے تو نے
سنگدل بن گیا ہے دیکھے پتھر کا صنم
دھونڈنے والوں کو کچھ کی خبر ہے کہ نہیں

تیرا دل تیری نظر تیری ادا ہو بیٹھا
غم نہیں مجھ کو زمانہ جو خفا ہو بیٹھا
کل جو اچھا تھا وہی آج برا ہو بیٹھا
آج تو دردِ جگر حد سے سوا ہو بیٹھا
یہ الگ بات ہے تو ہم سے خفا ہو بیٹھا
عمر بھر کی یہ دفاؤں کا صلہ ہو بیٹھا
میں نے چاہا تھا جسے اب وہ خدا ہو بیٹھا
میں کہیں بھی رہوں وہ میرا پتہ ہو بیٹھا

ایک ایسا بھی مقام آیا ہے الفت میں ضمیر
دل کا ساتھی مرا خود دل سے جدا ہو بیٹھا



منزل دکھائی دیگی ابھی زیرِ پناہ مجھے
یہ دشت کیا ہے دریا نے رستہ دیا مجھے
پہچانتا نہیں ہے ابھی ناخدا مجھے
وابستہ اپنے آپ سے رکھنا سدا مجھے
اے کاش کوئی بزم میں پہچانتا مجھے
اک بار اپنے آپ سے ملنا پڑا مجھے
ایسا ہوا ہے دیدہ بلیغ عطا مجھے
تیرا خیال جب بھی ذرا آگیا مجھے
ہر ابتداء پہ ملتی رہی انتہاء مجھے
شکرِ خدا وہ فیضِ بصیرت ملا مجھے
لیکن ترے کرم نے کیا کیا مجھے

اک بار ہی سہی ذرا دیکھے صدا مجھے
بخشا ترے کرم نے عجب حوصلہ مجھے
طوفاں کا خوف اس کو ہے مجھ کو خدا مجھے
دونوں جہاں کی آس ہے اک آپکی نظر
خونِ جگر سے میں نے تو روشن کئے چراغ
دستک بغیر گھر جو مقفل تھا کھل گیا
آئینہ گر کو دیکھتا ہوں آئینے میں میں
روشن ہوئے چراغِ امیدوں کے ہر قطر
آئنا زہی میں دیکھتا ہے انجامِ دوستو
ہر ذرہ میرے حق میں بنا راہِ معرفت
کیا کیا گنہ نہ مجھے گہوئے ہیں حیات میں

کس کو سناؤں حالِ غمِ زندگِ ضمیر
ملتا نہیں ہے ایک بھی درد آشنا مجھے



دل بہت بے قرار ہے ساقی
اب ترانہ طار ہے ساقی

میرے زخموں کے پھول کھلتے ہیں
آنسوؤں کی بہار ہے ساقی

جو تیرا نام لیکے پیتا ہے
اک وہی بارہ خوار ہے ساقی

ماری لات میں نے وُشیا کو
اس کا کیا اعتبار ہے ساقی

چشمِ میگوں کا ایک ساغر اور
جان لیوا خمار ہے ساقی

کام اکثر ضمیمہ آتا ہے
اک یہی یار غار ہے ساقی



عشق کی داستان چھوڑ گئے
 خونِ دل کے نشان چھوڑ گئے
 اس سے بہتر نہ تھا مقام کوئی
 آپ دل کا مکان چھوڑ گئے
 پھول ترسیں گے رنگ و بو کیلئے
 ہم اگر گلستان چھوڑ گئے
 ڈوبنے کو تھی جب میری کشتی
 ساتھ سب ہر بان چھوڑ گئے
 بات ہوتی ہے پر نہیں ہوتا
 لوگ دل کی زبان چھوڑ گئے
 جس کو عنوان نہ مل سکا اب تک
 آپ وہ داستان چھوڑ گئے
 آپ ملنے ضمیر سے آئے
 جب وہ فانی جہاں چھوڑ گئے



ہم پہ کچھ الزام نہ آئے
 ایسا کوئی پیغام نہ آئے
 ایسی بھی کیا مجبوری ہے
 لب پہ تہسارنام نہ آئے
 تیری نجات میری حقیقت
 اس پہ کوئی الزام نہ آئے
 چاکِ گریباں کرنے والو
 ضبطِ جنوں اب کام نہ آئے
 اللہ اللہ عشق کی دنیا
 صبح نہ جائے شام نہ آئے
 حسنِ جواں ہے بکھرے گیسو
 کوئی اسیرِ دام نہ آئے
 میرا جینا میرا مرنا
 تجھ بن میرے کام نہ آئے
 جن کو ضمیر اپنا کہتے ہو
 ساتھ کبھی دو کام نہ آئے



ذروں کو آفتابِ درخشاں بنائیے
اب اور ایک عالمِ امکاں بنائیے

جس وقت یاد آئے زمانہ بہار کا
ہر داغِ دل رشکِ گلستاں بنائیے

ہنس کر گلے لگائے غمِ زندگی کو آج
خود کو حریفِ گردشِ دوراں بنائیے

رورخزاں نے چینِ لی پھولوں کی تازگی
وقفِ بہارِ خونِ رگِ جاں بنائیے

حق مانگتے ہیں اپنا ہم اربابِ گلستاں
ہر ایک خار کو گلِ خداں بنائیے

حسنِ بیاں سے بندشِ الفاظ سے سوا
افکارِ نو کو شعر کا سماں بنائیے

ظلمتِ آبِ راہِ سخن ہے ابھی ضمیر
شمعِ شعور و فکرِ فروزاں بنائیے



تصور میں سرے نہ جب بھی آئے
 چراغِ داغِ حسرت جھلملائے
 ہزاروں مرحلے راہوں میں آئے
 قدم پھر بھی نہ اپنے ڈگمگائے
 ورائے منزلِ ریر و حرم ہوں
 زمانہ کس طرح اب مجھ کو پائے
 یہ عالم ہے مری مجبوریوں کا
 ٹھیکر جائے تو بھر دل ٹوٹ جائے
 تیری تصویر جب بھی دیکھتا ہوں
 نظر آتے ہیں کچھ اپنے بھی سلے
 نہ رک اے گردشِ چرخِ بریں تو
 کہیں یہ نبضِ ہستی رک نہ جائے
 مرے ہمدرد دنیا میں بہت ہیں
 دمِ مشکل کوئی تو کام آئے
 خموشی بھی ہے اظہارِ محبت
 ضمیر اپنا فسانہ کیوں سنائے



کانٹے ہیں کہیں آگ کہیں سنگ کہیں ہے
بیراہِ محبت ہے کچھ آسان نہیں ہے

<p>تو پاس اگر ہے تو ہر اک چیز حسین ہے تا عمر بھانے کی قسم کھائی تھی تو نے ہو جائے فنا ذاتِ خدا میں جو کوئی ذات اے حسنِ حقیقت تو کبھی جلوہ دکھادے وہ چاہے تو قدموں میں زمانے کے چھکاؤ احساسِ غمِ دوری ہوا ہی نہیں بھج کو بکھرا ہوا میخانے کا شیرازہ ہے کب سے ہیں جلوے رنگا ہوں میں حری کون بھلا گے</p>	<p>لحرا بھی رنگا ہوں میں مری خلیہ بریں ہے وہ عہدِ محبت بھی تجھے یاد نہیں ہے کیا ڈھونڈتے ہو اس کو مرکاں ہے نہ کیوں ہے سجدوں کی امانت لئے بے تاب جبیں ہے کہنے کو ترے در کا گدا خاک نشیں ہے محسوس ہو واجب سے کہ تو دل کے قریں ہے ساقی ہے کہیں سے ہے کہیں جام کہیں ہے چھپ جائے کوئی مجھ سے یہ ممکن ہی نہیں ہے</p>
---	---

کیا نذر کروں گردشِ دوراں کو ضمیر آج
جینے کی تمنا بھی مرے پاس نہیں ہے



غم اگر دل میں ڈوب جاتے ہیں
 دل مسائل میں ڈوب جاتے ہیں
 لوگ طویل سفر سے گھبرا کر
 فکرِ منزل میں ڈوب جاتے ہیں
 جن کو ٹوکے ضمیر کی آواز
 خشک ساحل میں ڈوب جاتے ہیں
 تیرے زہریلے طنز کے نشتر
 سب مرے دل میں ڈوب جاتے ہیں
 ہاتھ قاتل کے جوشِ وحشت سے
 خونِ بے مل میں ڈوب جاتے ہیں
 کیا قیامت ہے اہل حق بھی ضمیر
 بحرِ باطل میں ڈوب جاتے ہیں



ایسا وہ دوستی کا صلہ دے گیا مجھے
 اک عمر آرزو کی سزا دے گیا مجھے
 خوابیدہ روح کو مری بیدار کر گیا
 یہ کون آ کے دل پہ صدا دے گیا مجھے
 اب اور اس سچے بڑھ کے ہو عبرت کا کیا مقام
 اک بھول کھل کے درسِ فساد دے گیا مجھے
 منزل کا اپنی دلیسے تعین محال تھا
 نقشِ قدم تمہارا پتا دے گیا مجھے
 مہکے ہوئے بدن سے گذر کر قریب سے
 باغِ ارم کی جیسے فضا دے گیا مجھے
 کانٹا ہوں بھر بھی بھول سمجھتے ہیں مجھ کو لوگ
 اسے دینے والے کیسی قبا دے گیا مجھے
 ان کی تلاش کرتے ہوئے جب میں تھک گیا
 چپکے سے کوئی میرا پتا دے گیا مجھے
 حاجت نہ کوئی طعنہ اجاب کی رہی
 میرا ضمیر خود ہی سزا دے گیا مجھے



کبھی ہم میں تم میں قرار تھا ہمیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 بڑی اجلی اجلی تھی دیکھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مجھے اب بھی یاد ہے وہ گھڑی مرے پاس تم رہے دیر تک
 نہ تھا ہوش جب تمہیں دیکھ کر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ابھی دور منزل شوق تھی سہراہ مجھ سے پھر گئے
 مجھے تم نے کر دیا در بہ در تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ تمہاری مجھ سے شکایتیں نئی زندگی کی حکایتیں
 مجھے یاد ہیں وہ تمام تر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

نظر آج سوئے رقیب ہے عجب انقلاب نصیب ہے
 کبھی مہربان تھے ضمیر پہ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو



نہ آنکھوں میں آنسو نہ لب پہ ہنسی ہے
میری زندگی بھی کوئی زندگی ہے

نہ کر باغباں تذکرہ فصلِ گل کا
لو میں ہنسائی ہوئی ہر کھلی ہے

بلا اور ساقی بلا اور ساقی
ابھی تشنگی ہے ابھی تشنگی ہے

محبت میں جینا محبت میں مرنا
جو سچ پوچھیے تو یہی زندگی ہے

ابھی بند ہے راستہ فصلِ گل کا
چمن کی روش پر خزاں چل رہی ہے

مرے آنسوؤں کا تبسم سلامت
شبِ تار میں کس قدر روشنی ہے

ہر اک گام پد جو بھٹکتا ہو خود ہی
ضمیر ایسے رہبر کی کیا رہبری ہے



وہ رند جس کا نشہ تھکے ہو بہ ہو رہے
وہ عشق کیا کہ لب پہ فقط گفتگو ہے
رسم کیا ہے تم کو تمہارے ہی حسن نے
ہر ذخمِ دل حیاتِ مجتبیٰ کی ہے دلیل
ہیں جا رہے طلب میں وہ ہر گام ساتھ ساتھ
احساں بھلا سکیں گے تصور کا کٹھن
سُراستوں سے اُٹھ نہ سکے مجاہدِ دید
وہ لبستہ چمن کو خزاں کیا بہار کیا

ساقی تری نظر کے دیوار و دیوار ہے
عاشق رہی ہے جس کی نگاہوں میں تو رہے
سورج کہیں ہے جلوہ مگر چار سو رہے
زندہ وہی شجر ہے کہ جس میں ٹوڑ ہے
جو اس سے بے خبر ہے وہ کوہِ کوہ ہے
وہ دور بھی رہے تو مرے روبرو رہے
ہاں اے نظر جبین کی مری آبرو رہے
جو کم نظر تھے مستفید رنگِ دہر رہے

ہر اک صدا میں ان کا ہی آواز تھی ضمیر
ہم جن سے محوئے سلسلہ گفتگو رہے



جسٹم بن کے جب وہ یادِ قامت سامنے آئی
قیامت آنے سے پہلے قیامت سامنے آئی

تمہارے پاک دامن کی جو نسبت سامنے آئی
نہ دنیا کی نہ عقبی کی حقیقت سامنے آئی

جہاں بھی مقصدِ انساں کی عظمت سامنے آئی
وہاں اے زندگی تیری ضرورت سامنے آئی

محبت کی کشش کہیے یا تاثیر دےا کہیے
جلوے میں گئے ہوں ان کی صورت سامنے آئی

تجھے اے بے وفا ہر حال میں پہچان لیتا ہوں
تیری صورت پہلے تیری سیرت سامنے آئی

کہیں طوفانِ سلاسل اور کہیں دلوں کے بن بکد
محبت کی قسم تیری محبت سامنے آئی

مری پر جادوؤں کا حال مجھ سے پوچھے کیا ہوں
جلوے میں اشیاء کس کس کی صورت سامنے آئی

یہ دنیا ہے ضمیر اس سے ہمیشہ دور رہنا
کٹا دل لٹ گئے جب اس کی صورت سامنے آئی



کیا خبر خارزار ہے دنیا
 یا مجسم بہار ہے دنیا
 آہ ہونٹوں پہ اشک آنکھوں میں
 شاید انسان شکار ہے دنیا
 بھول بھی ہے ہم غریبوں کو
 کتنی مطلب شعار ہے دنیا
 آپ ہی کے حسین خیالوں کی
 اک حسین یادگار ہے دنیا
 وہ بھی جلتے ہیں ہم بھی جلتے ہیں
 کس قدر شعلہ بار ہے دنیا
 میرے اشکوں کے بھول کھلتے ہیں
 دیکھنا لالہ زار ہے دنیا
 جب کسی کی تھی اب کسی کا ہے
 کتنی بے اعتبار ہے دنیا
 اپنا اپنا نصیب ہے یہ ضمیر
 جانے گل ہے کہ خار ہے دنیا



لطف جینے کا سارا گیا
 جب تمہارا سہارا گیا
 حسنِ عارض نکھارا گیا
 گیسوؤں کو سنوارا گیا
 خونِ دل سے جہن میں مرے
 ہر کھلی کو نکھارا گیا
 شامِ غم یوں گذرتی نہ تھی
 وقت پھر بھی گزارا گیا
 رخ سے رک رک کے الٹا گیا
 جذبہٴ دل اُبھارا گیا
 دیکھ کے میرا رنگِ سُخن
 کوئی بے موت مارا گیا
 بزم میں یوں تو سب تھے ضمیر
 نام میرا پکارا گیا



وہ جدا کیا ہو گیا اک حشر برپا ہو گیا
اس بھری دنیا میں انوس تہنا ہو گیا

چل رہی ہے آج کل کسی زمانے کی ہوا
کچھ خبر بھی ہے تجھے قاتل مسیحا ہو گیا

میں اگر کھولوں زباں تو ہینِ غم کا خوف ہے
ضبطِ غم تو ہی بتا کیا حال میرا ہو گیا

اُٹھ گئی اُمید جینے کی توجی کر کیا کروں
اب اُجالا بھی مرے حق میں اندھیرا ہو گیا

زندگی اے زندگی تو ہی بتا میں کیا کروں
مجھ کو ترے نام سے افسوس دھوکا ہو گیا

پھول برساتی ہوئی جب یاد آتی ہے تری
خارِ غم چھنے لگا اور زخم پیدا ہو گیا

دوستوں کا واقعی کتنا بڑا احسان ہے
رفتہ رفتہ دل مرا غم سے شناسا ہو گیا

ایک مدّت سے نشیمن میں اندھیرا تھا ضمیر
دفعۃً ترپٹی گری بجلی اُجالا ہو گیا



یوں بہارِ گلستاں بے آبرو ہونے لگی
 بھول کے بدلے میں کانٹوں کی نمونے لگی
 کس طرف کو ہے رواں رویہ جہاں کارواں
 عظمتِ انسانیت بے آبرو ہونے لگی
 کون جانے کون سبھے عشق کا یہ فلسفہ
 ہے زباں خاموش لیکن گفتگو ہونے لگی
 کون سی منزل پہ لایا مجھ کو ترے عشق نے
 اب توھر آوازِ دل کی تو ہی تو ہونے لگی
 یہ نگاہِ شوق میں کیسا اثر پیدا ہوا
 دیدِ حسنِ یار کا اب چار سو ہونے لگی
 جب کبھی عزمِ سفر ہم نے کیا ہے اے ضمیر
 خود ہی منزل کو ہماری جستجو ہونے لگی



کیا کروں تدبیر آخر میں سنبھلنے کے لئے
 قافلہ تیار ہے منزلِ صحیح چلنے کے لئے
 اے وفادارو! وفا کی راہ میں آؤ کبھی
 دو قدم ہی زندگی کے ساتھ چلنے کے لئے
 ہم کو کشتی کی ضرورت ہے نہ ساحل کی طلب
 ہم تو آئے ہیں فقط طوفان میں ملنے کے لئے
 شاعرِ فطرت ہوں میں انکار کر سکتا نہیں
 ہے مرا خونِ جگر لفظوں میں ٹھہرنے کے لئے
 زندگی کچھ غور کر کیا وقت کہتا ہے تجھے
 تو نہیں ہے اک کفِ افسوس ملنے کے لئے
 ہم بدل سکتے نہیں اپنا مزاجِ زندگی
 انقلاب آیا تو کیا ہم کو بدلنے کے لئے
 وہ چراغِ ریر یا شمعِ حرم ہوا ہے ضمیر
 چاہتا ہے لو کوئی پہرہ اُنہ چلنے کے لئے



آپ کو خالق نے بھیجا ہے تدبیر کے لئے
 آپ کب ہیں حضرت انان متفکر کے لئے
 ہم نے مانا آپ آئیں گے مگر آئیں گے کب
 ہم تو ہیں بے چین اظہارِ تشکر کے لئے
 خاکساری عظمتِ انان کی زندہ دلیل
 زندگی انان کا کب تھی تکبر کے لئے
 وہ طاقا تیں نہیں وہ دن نہیں راتیں نہیں
 رہ گئے جلوے تمہارے اک تصور کے لئے
 یہ جمالت یہ کدورت یہ بناوت چھوڑ دے
 تو نے باقی زندگی علمی تسبیح کے لئے
 ہر نفس میں اک نئی الجھن کو پاتا ہوں ضمیر
 زندگی مجھ کو طیاشِ تدفکر کے لئے



'خوئے حیرت ہوں میں خود کو دیکھ کر چاروں طرف
 وہ نظر آنے لگا شام و سحر چاروں طرف
 تو جہاں چاہے چلا جاوے خطر چاروں طرف
 ہم گناہگاروں کو بس تیرے کرم پر ناز ہے
 اہم ہوں گے وہ وسیلہ کی ہے جن کو احتیاج
 ان کے فیضِ لطف سے غم کے دھندلے چھٹ گئے
 جام و مینا اگر دیرے خود بخود پھرنے لگے
 آگئی شام یہ مقامِ عشق کی منزلِ قریب
 جس کو حاصل ہے بصیرت دیکھ سکتا ہے وہی

ہے تعینِ عکس کا آئینہ گر چاروں طرف
 دیکھتا ہوں اس کو میں آنکھوں پر چاروں طرف
 نقشِ پاؤں کے ہنسی گراہ بر چاروں طرف
 لاج رکھتا ہی پڑے گی عمر بھر چاروں طرف
 آپ کی نسبت سے ہوں میں بلا اثر چاروں طرف
 ہو گئی آخر شبِ غم کی سحر چاروں طرف
 ہے مرے ساقی کی نظر کا اثر چاروں طرف
 ان کا جلوہ دیکھتی ہے اب نظر چاروں طرف
 وہ ہر اک ذرہ میں آتا ہے نظر چاروں طرف

عظمتِ فن جیسے ان کے پاؤں کا زنجیر ہے
 دیکھنا پھرتے نہیں اہل ہنر چاروں طرف



خونِ دستا ہے زخمِ کاری ہے
 زندگی کیا ستم کی ماری ہے
 چشمِ ساقی کا فیض جاری ہے
 میکشوں پر سرور طاری ہے
 آہ یہ کیسی انتظاری ہے
 بے قراری ہی بے قراری ہے
 آپ سے لولگا کے جیتے ہیں
 بس یہی زندگی ہماری ہے
 جو تھے معمارِ شیشِ محلوں کے
 ان پہ الزامِ سنگِ باری ہے
 جس گھڑی پاس وہ نہیں ہوتے
 وہ گھڑی میرے دل پہ بھاری ہے
 تیرے جلوے ہیں میری نظروں میں
 کس لئے مجھ سے پردہ ماری ہے
 ہے ضمیر اس طرف اُدھر دنیا
 کون سی چیز تم کو پیاری ہے



محبت کرنے والوں کو محبت آزما تی ہے
 کسی کی آن جاتی ہے کسی کی جان جاتی ہے
 تخیل کی گل افشانی غزل کا نام پاتی ہے
 کجا کی یاد سے زخموں کی رُنیامسکراتی ہے
 وفور غم سے شمع زندگانی تھر تھراتی ہے
 محبت کی ہر اک دھڑکن دفا کو آدھاتی ہے
 کسی کے عارضِ دلب کی بلی ہے روشنی جب سے
 بہارِ زندگی رنگینوں میں ڈوب جاتی ہے
 مرے بازو پہ زلفوں کی بھری برسات ہوتی تھی
 وہ ساعت یاد آتی ہے وہ ساعت یاد آتی ہے
 وہ رنگ و ڈور کی مغل بہاروں کی وہ رعنائی
 محبت کے وفا پر درف لڑن کو سناتی ہے
 کسی کی یاد میں گم ہو گئی ہے روشنی دل کی
 جو گاہے گاہے راہِ اشکِ غم کو جگمگاتی ہے
 تمہاری زلف کا سایہ چوٹ چلے تو رک جاؤ
 تھکا ماندہ ہوا ہوں دھوپِ غم کو چیلچلاتی ہے
 ضمیرِ انجامِ الفت پر لرز جاتا ہے دل اکثر
 ہنسی آتی ہے جس دم آنکھ میری ٹپد باقی ہے



کون دیکھے گا ترے ناز وادامیرے بعد
کس کو بھرائے گی بے وقت قضا میرے بعد

کلنے لگے راہوں میں بھپا پھول بھپانے والے
پھر نہ آئے گا کوئی آبلہ پا میرے بعد

میری آواز ہے محفوظ تری محفل میں
یام و در سے تجھے آئے گی صدا میرے بعد

زندگی تو ہی بتا تجھ کو کہاں سے لائوں
اس کو احساس محبت کا ہوا میرے بعد

میں جو ملتا تھا تو ہنس ہنس کر لگے ملتا تھا
ڈھونڈتی پھرتی رہے گی یہ بلا میرے بعد

سانس لیتا ہوں تو شعلہ سا یک جاتا ہے
آشیاں ایسا جلا پھر نہ بچھا میرے بعد

خونِ دل خونِ جگر خونِ وفا خونِ جنوں
تجھ کو بھر مل نہ سکا رنگِ حنا میرے بعد

ڈھونڈتا پھرتا ہے اب کچھ مچرا مچرا
بے وفا کو ہوئی اب قدر وفا میرے بعد

عمر بھر روئے سارہ اپنی جفاؤں پر ضمیر
یاد آئے گی اسے میری وفا میرے بعد



اس کا جلوہ مری نظروں میں سدا بھرتا ہے
 ساتھ ہر وقت مرے دوست مرا بھرتا ہے
 چاہنے والے کی کچھ تجھ کو خبر ہے کہ نہیں
 تیرے کوچے میں کوئی شخص سدا بھرتا ہے
 لاکھ پُر خار ہے یہ راہِ محبت لیکن
 کو بہ کو بھر بھی کوئی آبلہ پا بھرتا ہے
 آمدِ فصلِ بہاراں کا نہ کر ذکرِ بدست
 آتشیاں نظروں میں اب جلتا ہوا بھرتا ہے
 خاکِ پیچائش گے اس کو یہ زمانے والے
 عشق میں تیرے جو دیوانہ بنا بھرتا ہے
 غم کی راہوں میں کوئی ساتھ نہیں دے سکتا
 سنتے آئے ہیں کہ سایہ بھی جدا بھرتا ہے
 پایا میں نے تجھے کھوکھو کے خود اپنی ہستی
 جستجو میں مری اب میرا پتہ بھرتا ہے
 اس کے جلوؤں کا یہ احساں ہے عنایت ہے ضمیر
 وہ تصور میں مرے صبح و مسا بھرتا ہے



ساری خوشیاں بنیں کسی کے لئے
غم بنامیری زندگی کے لئے

زندگی کو جو مار دے ٹھوکر
اس کو غم ہی نصیب ہوتے ہیں
عظمتِ زلیست اس کی کیا کہیئے
بے حقیقت نہ جان تو غم کو
مئے سے مجھ کو نہیں کوئی مطلب
زندگی اک عذاب ہے اپنی
آپ اوروں کے غم پہ ہنستے ہیں
جن کی گلشن پہ حکمرانی تھی
پھول کھلتے ہیں میرے زخموں کے
دیکھ کر ان کی مست آنکھوں کو
عظمتِ زلیست ہے اسی کے لئے
جو بھی جیتا ہے راستی کے لئے
جو اٹھتا ہے غم کیسی کے لئے
اک سہارا ہے زندگی کے لئے
پی رہا ہوں میں بے خودی کے لئے
تو دعا دے نہ زندگی کے لئے
حوصلہ چاہیئے ہنسی کے لئے
وہ ہیں محتاج پنکھڑی کے لئے
کیا بہار آئی زندگی کے لئے
جی ترستا ہے میکشی کے لئے

ہم نے دیکھا ہے زندگی میں ضمیر
لوگ مرتے ہیں زندگی کے لئے



ایک توجو ہو جائے کاش مہرباں اپنا
 یہ زمین اپنی ہے اور یہ آسماں اپنا
 جب کہ ہر لگ لگ میں خون، رواں اپنا
 بھر یہ کیوں بنا دشمن آج باغباں اپنا
 حادثات راہوں کے کیا ڈرائیں گے مجھ کو
 حوصلہ سلامت ہے غم ہے جواں اپنا
 نذر زندگی کرتا عمر بھر پڑا رہتا
 مجھ کو وہ بنا لیتے سنگِ آستاں اپنا
 دل میں آگ ہے غم کی آنکھ سے رواں آنسو
 جل رہا ہے بارش میں دیکھے مکاں اپنا
 آندھیاں بھی چلتی ہیں برق بھی ترپتی ہے
 جھڑ گیا چمن میں جب ذکرِ آشتیاں اپنا
 میری قبر کا سایہ چھو رہا ہے قدموں کو
 بہرِ فاتحہ آیا کون مہرباں اپنا
 عمر بھر نہیں سنتا جو ضمیر کی آواز
 وہ بھٹکتا رہتا ہے کھوکھو کے کارواں اپنا



ہر شیخ و برہمن سے کہتا ہے یہ دیوانہ
 کعبہ ہے مرے دل میں آنکھوں میں ہے بتخانہ
 آباد رہے ساقی ہر وقت یہ میخانہ
 مے پیتا رہوں میں بھی پیمانہ بہ پیمانہ
 ہر رند یہ کہتا ہے اے ساقی میخانہ
 اک گھونٹ پلا کر اب کر دے مجھے دیوانہ
 تو برق گرا دینا اے جلوہ جانا نہ
 بے تاب ہے جلنے کو میرا دل دیوانہ
 اک بار اسے لاکر گھر میرا دکھا دینا
 دیکھا ہی نہیں جس نے اب تک کوئی پورا
 تو سب پہ کرم فرما مے سب کو عطا فرما
 تخصیص نہ کر ساقی اپنا ہو کہ بیگانہ
 ساقی کے تصور میں ہے مست ضمیر اپنا
 جلووں کی تجلی سے پُر نور ہے کاشانہ



تصوّر میں ان سے ملاقات کر لی
 کہاں رہ کے ہم نے کہاں بات کر لی
 حبسِ رُخ پہ زلفوں کو لہرا کے بولے
 ابھی صبح تھی اور ابھی رات کر لی
 نہ جینے کی خواہش نہ مرنے کی حسرت
 رفاقت کچھ ایسی ترے ساتھ کر لی
 خدا جانے انجام کیا ہو ہمدرد
 وفا کی تو ہم نے شروعات کر لی
 زمانے کے ماتھے پہ کیوں بل پڑے ہیں
 کسی نے کسی سے اگر بات کر لی
 مسافر کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے
 کہیں صبح کر لی کہیں رات کر لی
 یہ دردِ محبت نشانی ہے ان کی
 قبول اس لیے ایسی سوغات کر لی
 زباں ان کی محفل میں کھلنے نہ پائی
 خموشی سے تفسیرِ جذبات کر لی
 ضمائرِ وفا کا یہی مشغلہ ہے
 تری بات سن لی تری بات کر لی



آئینہ دورِ ناز کو دکھاتے رہیں گے ہم
کانٹوں کو بھی گلے سے لگاتے ہیں گے ہم
بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھاتے رہیں گے ہم
قلب و نظریں ان کو چھلتے رہیں گے ہم
موتی بنامِ شعرِ ثانی رہیں گے ہم
کب تک فسانہِ غم کا سنتے رہیں گے ہم
خونِ دل و جگر کو جلاتے رہیں گے ہم
سنتے رہیں گے آپ سناتے رہیں گے ہم
آنکھیں قدم قدم پہ بچھتے رہیں گے ہم

نصیرِ عہدِ رفتہ بڑھاتے رہیں گے ہم
جشنِ بہارِ حسن مناتے رہیں گے ہم
منزلِ مہی کی شان بڑھاتے رہیں گے ہم
یہ زخمِ زندگی کی امانت ہیں دوستو
اپنے لہو کی دیکھے چمک لفظِ لفظ کو
آہوں کی جب زبان کوئی جانتا نہیں
رکھنا ہے یخن میں اجالوں کا کچھ بھرم
رودادِ حسن و عشق ہماری زبان سے
اک بار آپ آنے کی زحمت تو کیجئے

لے کر خدا کا نام بپاسِ ضمیر و ظرف
سوئے ہوئے دلوں کو جگاتے رہیں گے ہم



ہرکلی خون میں نہائی ہے
 کیسے سمجھوں بہار آئی ہے
 بال دہر ہو چکے ہیں نذرِ قضا
 یہ رہائی کوئی رہائی ہے
 تیرے غم کو لگا کے سینے سے
 میری تقدیر مکرانی ہے
 بزمِ روشن ہے آپ کے دم سے
 آپ نے شمع کیوں جلائی ہے
 تیری ہلکی سی مسکراہٹ سے
 محفلِ زیستِ جگمگائی ہے
 کیا بتائیں گے تیرے دیوانے
 کیا بُرائی ہے کیا بھلائی ہے
 جب بھی اٹھا نقابِ حسنِ ضمیر
 محفلِ عشقِ جگمگائی ہے
 آج تو نے ضمیرِ خود آگاہ
 کتنی اچھی غزل سنائی ہے



کیف پر دستِ فضا اور راستہ ہکا ہوا
 بیٹھے بٹھے دل ہمارا آپ پر شیدا ہوا
 مسکرا کر لوٹ لیتے ہیں مرے ہوش و حواس
 اے جیا پرور یہ کس سے عشق کی تاثیر ہے
 وہ جو چاہے تو ٹاس سکتا ہے تجھ پر زندگی
 خالقِ انصاف تیرا کیا یہی انصاف ہے
 ہجر کی یہ سہارا تیں کیا ڈرائیں گی مجھے
 سرے بات تک ہر ادا کہتے ہیں کہ دیکھو مجھے
 اشک ٹپکے آنکھ سے اور آہ لب پر آگئی
 دل جو مدت سے ہمارا تھا پیرا یا ہو گیا
 آپ گزرے ہیں یہاں سے مجھ کو یہ دھککا ہوا
 جانے دیکھے جو ہوا جو کچھ ہوا اچھا ہوا
 پوچھتے ہیں مجھ سے پھر وہ بھوکنے سے کیا ہوا
 آج کیوں پروردہ نشیں پر دھسے پردا ہوا
 ایسا بھی عاشق تری مفضل میں ہے بیٹھا ہوا
 عشق تو رسوا ہوا اور حسن کا چرچا ہوا
 آسمان عشق پر جب چاند ہے نکلا ہوا
 جسم تیرا حسن کے سہانچے میں ہے ٹھہلا ہوا
 اے دلِ نادان تجھے یہ بھیٹے بھیٹے کیا ہوا
 کیا ہوتاؤں حادثہ کیوں کر ہوا کیسا ہوا

اے ضحیر آواز تیری رہبر منزلِ بنی
 جب کوئی آتیا سفر راستہ بھٹکا ہوا



وہ عزمِ سفر کا مجھے اے میرے خدا دے
 ستر منزلِ مقصود کا قدموں پہ چھکادے
 وہ شمعِ وفا ہوں تو فنا دے نہ بقا دے
 ہر شامِ جلا دے مجھے ہر صبحِ بھگادے
 ہر اشکِ غمِ دل کو تبسم میں چھپا دے
 کچھ حوصلہ ضبط زمانے کو دکھا دے
 تیرے دوڑوں میں دوادے کہ دعا دے
 لازم ہے کہ بیمار کو قدرت ہی شفا دے
 مجبور تھے سننے کو ہو جائے زنا نہ
 تو اپنے فسانے کو مگر رنگِ وفادے
 سانوں میں تسلسلِ ساہے یا دونوں کا بدولت
 کس دل سے کوئی آپکی یادوں کو بھلا دے
 احاسِ تسلی کی بھی لاج تو رکھ لے
 پچلے ہوئے آنسو مرے دامن پہ گرا دے
 جو دل میں بھڑکتا ہے ضیاءِ آج مسل
 وہ شعلہِ غمِ دامنِ ہستی نہ جلا دے



یہ ادا بھی اک ستم ہے خود کو تنہا دیکھ کر
مجھ کو نفرت ہو گئی دیا سے دینا دیکھ کر
کوئی جلوہ دیکھ کر اور کوئی پردہ دیکھ کر
آپ آئے بھی تو آئے راہ دنیا دیکھ کر
فرق اعلیٰ اور ادنیٰ سے نہ آیا ذہن میں
تیری محفل نے تو مجھ کو اجنبی سمجھا ملکر
عشق کے بازار میں ہوں میں بھتی پرے سے
حالِ غم پہچاننے میں دھوکا کھا جاؤں لوگ

مسکراتے ہیں وہ آئینے میں کیا کیا دیکھ کر
لوگ ملتے ہیں یہاں افسوس پیسہ دیکھ کر
مطمئن کتنے ہیں اہل دل تماشہ دیکھ کر
بے دھڑکن آجالتے رستہ دل لاسدھا دیکھ کر
نسبت دریا سے اک قطرہ میں دریا دیکھ کر
تراغم ملتا رہا چہرہ شناسا دیکھ کر
کیوں ہنسی آئی خرد کو میرا سودا دیکھ کر
اک تبسم کا لبوں پر میرے پردا دیکھ کر

بے بصارت شہر میں لعل اور پتھر ایک ہیں
اے ضمیر آئے ہو کس امید پر کیا دیکھ کر



نہ مجھ کو ڈوبنے کا غم نہ تجھ کو خوفِ طوفان ہے
 یہ آخر کون سی منزل میں عکسِ حسنِ جاناں ہے
 نہ بھی گریباں میں نہ باقی تارِ داماں ہے
 نہ ہو بالکل اسے دل حادثاتِ زندگی سے
 نسکا ہیں جس طرف اٹھیں ادھر جھک کر نظر آئے
 نہ اس کے نہیں اس مرحلے پر حادثے تجھ کو
 وہ قاضی رضا جوئی مروتِ پیار ہمدردی
 مشغورِ عام کیا سمجھے یہ حسنِ عشق کے جذبے
 یہ سچ ہے ایک لذت ہو گئی ترکِ تعلق کو
 مری کشتی رہ گئی ہے خدا جس کا نگہبان ہے
 کہ جس کو دیکھ کر خود آئینہ تصویرِ حیاں ہے
 مرادِ حق جنوں کیا حاصلِ حشرِ بہاں ہے
 اگر ہے عزمِ کامل تو سمجھ لے مشکلِ آساں ہے
 کچھ اس صورت سے شمعِ آگہی دل میں فروزاں ہے
 مریے اشکِ غم دل کے ہر اک قطرہ میں طوفان ہے
 انہیں دو چار جذبوں میں حیاتِ عشق پنہاں ہے
 کہی کی ذاتِ افانہ کہی کی ذاتِ عموں ہے
 مگر اک نشترِ غم اب بھی نزدیکِ رگِ جان ہے

ضمیر ایسے توجھنے کو جہاں میں سب ہی جیتے ہیں
 مقامِ زندگی کو جو سمجھ جائے وہ ان نہ ہے



تو اگر ہے تو بہارِ گلستاں ہے زندگی
 ورنہ صحرا ہے بیاباں ہے خزاں ہے زندگی
 صرف سانسوں کا تسل تو نہیں جینے کا نام
 زندگی کہتے ہیں جس کو وہ کہاں ہے زندگی
 آپ کی بس اک نظر سے فیصلہ ہو جائے گا
 اس اور امید کے اب دریاں ہے زندگی
 تجھ سے ملنے کی تمنا لے کے ہم جیتے رہے
 عمر بھر تو ساتھ رہ کر بھی کہاں ہے زندگی
 جینے والے کاش ہو جاتی تھے اس کی خبر
 زندگی کے واسطے خود امتحاں ہے زندگی
 اس کے دامن میں ہیں ساری دنیا کی نعمتیں
 زندگی سے کس لئے پھر بدگماں ہے زندگی
 زندگی کو کس لئے تنہا سمجھتے ہو ضحاک
 آرزوں کا حیس اب کارواں ہے زندگی



نا خدا کو جب خدا کا آسمان ملتا نہیں
 عمر بھر اس کو کنا روں کا پتا ملتا نہیں
 عزم و ہمت ہو تو ہر ایک راستہ نظروں میں ہے
 کون سی منزل ہے جس کا راستا ملتا نہیں
 حادثوں نے غم کے افانے مرتب کر دیئے
 اب کتابید زندگی میں حارثا ملتا نہیں
 اہل باطن کی عنایت بھی ضروری ہے بہت
 اہل ظاہر کے ملائے سے خدا ملتا نہیں
 کچھ نہ کچھ اپنائیت نظروں میں ہونی چاہیے
 اجنبی نظروں کو صورت آشنا ملتا نہیں
 جذبہ سانسوں میں مری یہ کون آخر ہو گیا
 اب مری پہچان اب میرا پتا ملتا نہیں
 حسن ہر تعمیر کا قائم ہے میری ذات میں
 میں رہ مٹی ہوں مجھے چھانو تو کیا ملتا نہیں
 زندگی رقص خیال دوست ہے اپنی ضمیر
 اب کسی گوشے میں احساسِ انانیت ملتا نہیں



آجاؤ تصور میں میرے دربار سجا کر پھولوں کا
 ہلکا سا تبسم ہر کما کر گلزار کھلا کر پھولوں کا
 اس عارض و لب کی رنگینی دیتی ہے خیالوں کو خوشبو
 دکھلا دو بہاروں کا منظر اب ذکر سنا کر پھولوں کا
 ہر کار و فضائے ہستی کو مدت سے یہ اجڑی اجڑی
 سر کا دو نقاب پر رخ اپنا نظارہ دکھا کر پھولوں کا
 امید کہاں بخشش کی فقط چار گنگوں کو اے ناداں
 رکھو ساتھ عمل کے پھولوں کو اک باغ لگا کر پھولوں کا
 گلزار بنادو محفل کو سرشار بنادو ہر دل کو
 اشعار سن کر پھولوں کے انداز بت کر پھولوں کا
 کیا جانیں ضمیر آ رہا بابِ خرد یہ اہل جنوں کا سودا ہے
 کانٹوں کو خریداجا تلے بازار لٹا کر پھولوں کا



ساقی تیری نظر کے اشدرے بدل گئے
 ہم جیسے میکشوں کے سپارے بدل گئے
 وہ مسکراتے چاند ستارے بدل گئے
 تم کیا بدل گئے کہ نظارے بدل گئے
 جب سے تخیلات تمہارے بدل گئے
 حالات زندگی کے ہمارے بدل گئے
 مدت ہوئی کہ دار و رسن پر سکوت ہے
 شاید کہ دردِ عشق کے مارے بدل گئے
 دیوارِ دردِ بھی اب نظر آتے ہیں اجنبی
 گھر کے ہمارے نقشے ہمارے بدل گئے
 کشتی کا اپنی جب ہے محافظِ خدا ضمیر
 میری بلا سے لاکھ کنارے بدل گئے



تا عمر ساتھ رہ کر پھر بھی تو اجنبی ہے
کس منہ سے تجھ کو کہدوں تو میری زندگی ہے

وہ پوچھتے ہیں مجھ سے کیسے گزر رہی ہے
اے دل تو ہی بتادے کیا حالیِ زندگی ہے

الفاظ اس طرف ہیں تفصیل اس طرف ہے
اور درمیاں میں گویا اک ہنرِ خامشی ہے

خونِ جگر کو پی کر پھر بھی میں جی رہا ہوں
کیا سمجھے کوئی کیا معیارِ میکشی ہے

جسمِ سحر سے شب کی کون زخمِ دس رہے ہیں
کیا روشنی جہاں کی پہلو بدل رہی ہے

غیر دکانِ ذکر کیا ہے اپنوں سے مل کے دیکھو
آنکھوں میں بے رخی ہے باتوں میں بے دلی ہے

دیکھ لے ہم نے مل کر تم سے ضمیر اکثر
ہر بات میں تمہاری اندازِ شاعری ہے



زندگی اور لپٹی گئی نہ بچر کے ساتھ
 آہ پلیٹ ہے مری عرش سے تاثر کے ساتھ
 ویسے تقدیر تو چلتی نہیں تدبیر کے ساتھ
 ہم نے کھیلنا ہے بہت زلفا گرہ گیر کے ساتھ
 جوڑ یہ خوب ہے پھوٹی ہوئی تقدیر کے ساتھ
 تم کو دیکھا نہیں میں نے کبھی شمشیر کے ساتھ
 ہم کو کیوں دیکھ رہا ہے کوئی تحقیر کے ساتھ
 عشق ہو جائے نہ رسوا کہیں ہشیر کے ساتھ
 اس سے ہر دور مل عظمت و توقیر کے ساتھ

میں الجھتا ہی رہا خواب کی تعبیر کے ساتھ
 اس کے جلوے ہیں عیاں صبح کی توہیر کے ساتھ
 قطع تدبیر کا رشتہ نہ ہو تقدیر کے ساتھ
 بیچ و خم سے ہیں لے دوست ڈراتا کیلے
 اُج ساقی نے دیا مجھ کو شکستہ ساغر
 کیسے قاتل ہو کیا کرتے ہو چھپ چھپ کے دار
 م تو رہ ہیں جو زمانے کا مقدّر بدلیں
 امن ضبط نہ چھوٹے شبِ فرقت اے دل
 نہ گئی کا ترے دیوانے نے پایا دہِ صلہ

منظر حسن و محبت کو ذرا دیکھ ضمیر
 کھل گیا رنگِ مصور کا بھی تصویر کے ساتھ



وقتِ مشکل جب بھی آیا بند دروازہ ہوا
 دوستوں کی دوستی کا ہم کو اندازہ ہوا
 جب چراغِ فکر و فن روشن کیا ہم نے کہیں
 قدر و قیمت وہ بھی دل کا لہو تازہ ہوا
 بس یہی بوجہ رہیں شہرِ ادب میں دوستو
 اور جو باقی ہمیا ان پر بند دروازہ ہوا
 حس کی رعنائیوں کو کم نظر کیا دیکھتے
 کس طرح روئے غزل پر خونِ دل غازہ ہوا
 دورِ حاضر میں اڑیں انسانیت کی دھجیاں
 مستِ شرابِ عظمتِ ان کا شیرازہ ہوا
 خود مرے حالات نے لوٹا متاعِ زندگی
 اے غمِ دل تجھ کو کیا احساسِ خمیازہ ہوا
 کیا ملے دادِ جنوں اہلِ خرد اے ضمیر
 ہم کو معیارِ وفا کا خوب اندازہ ہوا

نظمیں

— قطعات —

متفرق اشعار

یہ نظم وزیر اعظم ہند جواہر لعل نہرو کے تقریری جلسہ میں پڑھی گئی

چراغِ سیاست

چشمِ انسانیت غم سے پر جوش ہے
زندگی موت سے آج ہم دو شاہ ہے

ہند کا زرہ زرہ سیہ پوش ہے
اب چراغِ سیاست بھی خاموش ہے

دل میں ہندو کا غم یوں اترنے لگا
شامِ غم جیسے سایہ ابھرنے لگا

ساعتِ دوپہر تھی پیامِ اجل
آفتابِ سیاست گیا آج ڈھل

غم کی تاریکیاں چھ اگیں بے محل
آہ ہندو کا مکمل نہیں ہے بدل

کھو گیا درِ نادر جو ابر کہاں
ڈھونڈتی ہے جے چشمِ ہندوستان

دستی پر سیات کار کھمدار
برصحت تیری بھئی واقعی شاہکار

امن کو زندگی کا بن کر شمار
تو نے بخت ہے انانیت کا وقار

آج دشمن بھی لے تے ہیں عزت سے نام
کریا تو نے پیدا دلوں میں مقام

شمع ہندوستان لودہ ہی ہے لہو
لاش ہندو جلی شل پر دانہ خو

خاک ہندو کی اڑنے لگی سو بہ سو
سر برہمنہ ہوئی دید کی آرزو

اک تصور تھا ہستی مفقود کا
نام ہر لب پہ تھا ذاتِ موجود کا

وہ ہمارا اجنتا و گنگ و چین
ہاں سراپا ہیں تصویرِ رخ و صحن

غم میں ہے دل فگار آج سارا چین
کچھ گئی ہے دلوں میں خوشی کی کرن

مرگِ محبوب قایم ہے دل سے ضمیر
آج سارا زمانہ ہے غم میں اسیر

کہ گواہ ہو گیا ہندوستان میں شامل

مستروں کی ہے ہر دل میں آج اک محفل
کہ گواہ ہو گیا ہندوستان میں شامل

وہ کام ہو گیا آساں جو تھا بہت مشکل
قرب آئے قدم چومنے لگی منزل

کوئی فضا ہو یہ نخرہ ہی ہم کو پیارا ہے
ہمیں یہ نخرہ ہے ہندوستان ہمارا ہے

ہمارے فن کی عطا تاج ہے اجنا ہے
ہماری پشت پناہی کو خود سہا لہ ہے

ہماری پیاس بجھانے کو رو دجھنلہ ہے
غرضی زلمے میں ہر سو سہا چرچا ہے

کوئی فضا ہو یہ نخرہ ہی ہم کو پیارا ہے
ہمیں یہ نخرہ ہے ہندوستان ہمارا ہے

چلیں گے دوش بہ دوش آج جو غلوں کے ہم
تو راستوں میں ہیں گے کہیں بھی پیچ نہ خسم

ہر ایک کام خرید گے جو ملے کے ہم باہم
ہیں گے پھر نہ زلمے میں ہم کسی سے بھی کم

کوئی فضا ہو یہ لغزہ ہی ہم کو پیار ہے
ہمیں یہ فخر ہے ہندوستان ہمارا ہے

ہمارے قوم کے لیڈر ہوں جب جو ہر لال
کسی طرح سے کبھی مشکل نہیں وطن کی بھال

کوئی بھی امر نہیں مہربان امیر محال
اہم نہیں سر دشمن کو توڑنے کا سوال

کوئی فضا ہو یہ لغزہ ہی ہم کو پیار ہے
ہمیں یہ فخر ہے ہندوستان ہمارا ہے

کوئی سراپا اٹھائے تو سر کچل دیں گے
مقابل آئے اگر کوئی تو مسل دیں گے

بدلتا ہو گا اگر وقت کو بدل دیں گے
سپاہیوں کو نئی قوت عمل دیں گے

کوئی فضا ہو یہ لغزہ ہی ہم کو پیار ہے
ہمیں یہ فخر ہے ہندوستان ہمارا ہے

اتحاد

اتحادِ باہمی سب سے بڑا اعزاز ہے کامرائی کا جہاں میں بس یہی اک راز ہے
ہندو مسلم دوستی اک وقت کی آواز ہے دشمنِ امن و اماں اس میں خلل اذائبے

ایک ہو جائیں اگر دنیا پہ چھا سکتے ہیں ہم
ہر رہ دشوار کو آساں بنا سکتے ہیں ہم

قوتِ عزم و عمل کو آزمانا چاہیے سرکشوں کے سر کو قدموں پر جھکانا چاہیے
بانٹ کر غم غم زدوں کا مسکرانا چاہیے جارہِ ایشار میں سب کچھ لٹانا چاہیے

ہم نے صدیوں بعد پایا ہے عوامی اقتدار
ہاتھ سے اپنے نہ جانے پائے شانِ اختیار

مقصدِ جمہوریت کا ترجمان ہے اتحاد عظمتِ انسانیت کا پاسباں ہے اتحاد
ہر جہت میں کامیاب کامراں ہے اتحاد درحقیقت منزلِ امن و اماں ہے اتحاد

ہندو مسلم مل کے چلنا چاہیے ہر گام پر
ورنہ آئیں آجائے گی ہندوستان کے ظلم پر

خوابِ غفلت سے ہمیں بیدار ہونا چاہیے دشمنوں سے ملک کے ہشیار ہونا چاہیے
جان دینے ہر طرح تیار ہونا چاہیے کچھ وفاداری کا بھی اظہار ہونا چاہیے

عظمتِ جمہوریت کا بس یہی پہچان ہے
آپسی ربط و محبت میں وطن کی شان ہے

مُحَقِّقِ حِیَآنِ چَندِ جِہَانِ کِی وَدَاعِی تَقْرِیْبِ کِی لَیْ

مُحَقِّقِ گِیَانِ چَندِ جِہَانِ

پھیلی ہوئی ہے علم و ادب کی یہاں شعل
ہے گِیاں چَندِ جِہَانِ کی یہ محفلِ وداع
تاریکیوں میں علم کی اک شمعِ ضوفاں
تحقیق کو تلاش ہے جس کی وہ ہے یہاں
لفظوں میں کیا بیان ہو تعریف آپ کی
سمجھے وہ جس کو گِیاں ہو تعریف آپ کی
آساں نہیں حقائقِ ہستی کا کھولنا
جو بات ذہن میں نہ ہو وہ بات بولنا
پختہ شعور و فکر ہیں گہری نگاہ ہے
یعنی ضمیرِ گِیاں کا یہ درسِ نگاہ ہے

احمد آباد میں موسیٰ بن موسیٰ فرانسسی سفیر کا باغ واقع تھا جو کثرت استعمال سے موسیٰ رام باغ ہو گیا۔ جہاں موسیٰ بن موسیٰ قبر بھی واقع ہے۔

موسمِ سفر

آج بس میں بیٹھ کر تفریح کی خاطر سے ہم
موسیٰ بن موسیٰ کی جانب جا رہے تھے صبح دم
ساتھ رزاق دایں تھے ہم خیال وہم زباں
گفتگو کا سلسلہ تھا داستانِ درد و داستان

ایک بہ یک میری نظر اٹھی اور اٹھ کر جم گئی
جیسے بحرِ زلیست کی ہر موج رقصاں تھم گئی
سامنے نظروں کے تھی بیٹھی ہوئی ایک نازنین
کیا کہوں تھیں کس قدر اس کی ادائیں دل نشین

انگلیاں ہندی سے رنگیں اور چہرے پر نقاب
تھا نقابِ لشیبی سے منعکس رنگِ شباب
مجھ پہ چھپ چھپ کے نظروں والی تھی بار بار
جلجلیاں جس طرح ہوں بادلوں کے اندر بے قرار

ہر تبسم کے اشارے میں تھا حکمِ دربار
ربط بڑھنے بھی نہ پایا وقتِ رخصت آگیا
جا رہی تھی باغ کے نزدیک سے مستِ خرام
کر رہی تھی ہر شجر کی شاخ جھک جھک کر سلام

نا پسندیدہ نہ ہوتا عین جنگل میں مقام
ایسے دیرانے پر فکرِ شاعرِ رنگیں نہ شمار
کاش اس کے چلنے والوں میں ہوتا میرا نام
دورہ دورہ پر تصدقِ ماہِ و انجس کا نکھار

دو گھڑی میں میرے دل کو کرگئی زیر و زبر
کب ملے گی اے ضمیر ایسی مجھے پھر ہم سفر

کاش اس کے چلنے والوں میں ہوتا میرا نام
دورہ دورہ پر تصدقِ ماہِ و انجس کا نکھار

دو گھڑی میں میرے دل کو کرگئی زیر و زبر
کب ملے گی اے ضمیر ایسی مجھے پھر ہم سفر



وقت کی آواز ہے یہ وقت کی آواز
کامیابی کا ہماری صرف یکتا راز ہے

آبتاؤں تجھ کو یکتا میں ہیں کسی انہمیتیں
زندگی کی راہ میں ہر گام پر ہیں عظمتیں

یکتا یکتا کی صدا ہر سمت۔۔۔ سہ آتی رہتے
اور فضا بے زندگی یوں کیف بڑھتی رہتے

ہندو مسلم سکھ عیسائی ہم خیال وہم وطن
ان کے دم کا نہیں ہے ان کے دم سے ہے چین

اب نہ اخلاص و مروت نہ وفا نہ پیار ہے
قتل و خون غارت گری کا گرم اب بازار ہے

نفرتوں کی آگ ہے اور حسرتوں کا خون ہے
کیا ہی دستور ہے اپنا ہی قانون ہے

ہم کو آزادی کا کچھ احساس ہونا چاہیے
عظمتِ جمہوریت کا پاس ہونا چاہیے

اے ضمیر آہیں میں ہم شہر و شکر ہو جائیں گے
پرچم امن و امان بن کر سد الہرائیں گے

تَحْفَہ

دردِ دل درِ جگر، دردِ محبتِ بھجوں یا غمِ ذوقِ تمنا غمِ فرقتِ بھجوں
دل کی ناکام تڑپیں ہوئی حسرتِ بھجوں یا ترے عشق کا احساسِ مذلتِ بھجوں
غور کرتا ہوں تجھے پیش کروں کیا تحفہ

مرصوفِ زیست کا اپنی کوئی عنوان لے کر عہدِ ماضی کا وہ اندازِ بہار لے کر
زندگانی سے غمِ گردشِ دوراں لے کر اپنی تخیل سے یا عظمتِ ان لے کر
غور کرتا ہوں تجھے پیش کروں کیا تحفہ

اپنے اشعار کی رنگین بیانی دے دوں خونِ ارباں کی اک انمول نشانی دے دوں
غم میں بڑھتی ہوئی اشکوں کی روانی دے دوں سوچتا ہوں کہ تجھے عہدِ جوانی دے دوں
غور کرتا ہوں تجھے پیش کروں کیا تحفہ

مسقوٰۃِ مرقاں میں لرزے ہوئے آنسو کی قسم گاشنِ شوق میں بکھری ہوئی خوشبو کی قسم
پستے بدلے ہوئے حالات کے پہلو کی قسم کتنی گھائل ہے محبتِ ترے آبرو کی قسم
غور کرتا ہوں تجھے پیش کروں کیا تحفہ

شاعری

شعروں کی جنتِ ذہنی میں کھو جاتا ہوں میں مسکراہٹ میں غمِ دل کو ڈبو جاتا ہوں میں
پاس رہ کے سب کے سب سے دور ہو جاتا ہوں میں وقت پڑتا ہے تو کانٹوں پر بھی سو جاتا ہوں میں

دم قدم سے ہے مرے لیل و نہار زندگی

وہ خراں کا دور ہو یا ہو، بس ہمار زندگی

سامنے میرے مجسم ہو کے آتی ہے غزل مجھ کو ہستا دیکھ سے خود مسکراتی ہے غزل
جب بھی پیغامِ محبت کو سناتی ہے غزل مجھ سے تنہائی میں اکثر کھیل جاتی ہے غزل

وارداتِ عشق کی تشریح میرا کام ہے

شاعری کیلئے مری الہام ہی الہام ہے

کچھ نہیں ہے فکر بس فکرِ سخن ہے صبح و شام چھینے لیتا ہے توانائی مری زورِ کلام
کس طرح ہو کاروبارِ زندگی کا اہتمام وقتِ احساس تجھ کو دور سے میرا سلام

ٹوٹتی ہے ہر قدم پر اک نہ اک آفت مجھے

کب میسر ہو گا کوئی لمحہ راحت مجھے

ذوقِ فطرت کو بدل یا بھر مری حالت بدل زندگی دے شاعرِ برباد کی قسمت بدل
نعمتِ آرام سے کچھ درد کی لذت بدل اے بدلنے والے میری فکر کی صوت بدل

ورنہ میری شاعرانہ زندگی مٹ جائے گی

صفحہ کونین سے زندہ دلی مٹ جائے گی



آج پھولوں پر جوانی ہے بہاروں پر شباب
آج ہر اک نرم میں بجے ہیں پھر خاک اور با
ہے تبسم لب پر غنچوں کے مہکتے ہیں گلاب
آج آنکھوں کو نظر آتے ہیں پھر الفت خواب
رات آہستہ گذرتی ہے محبت کے لئے
راہِ آزادی سنورتی ہے محبت کے لئے

آج گلشن میں بہاریں قصص فرماتے لگیں
اور خوشیوں کے ترانے بلبلیں گانے لگیں
چار جانب سے ہوائیں تھومتی آنے لگیں
دوش پر یادِ شہیدانِ وطن لانے لگیں
خونِ آزادی کا دیکھو کیا حسین انجام ہے
مسکراؤ مسکرا کر زندگی کا کام ہے

جشنِ آزادی منائیں گائیں آزادی کے گیت
آج ہے پندہ اگت اور آج ہے بھاری حیت
ہے یہ قانونِ الفت ہے یہی الفت کی ریت
مثلِ باپو چاہیے ہر ایک کو اپنوں سے پیٹ
اب وہ دنیا میں نہیں پران کا ادنیٰ ہے مقام
گوشے گوشے میں رہے گا ہر زبان پر ان کا نام

آج ہر اک سانس اپنی کہہ رہی ہے اے ضحیٰ
ہم محبت کے پجاری ہم محبت کے اسیر
ہم بہاروں کے نگہباں ہم بہاروں کے صیفر
ہم سے ہے شانِ وطن ہم قوم کے ہیں دیگر
خونِ آزادی رگوں میں جتا جڑ دھا جائے گا
کاروانِ زندگی اتنا ہی بڑھتا جلتے گا

لباسِ حِجّت

لباسِ نو کے پردے میں متاعِ حنِ عریاں ہے نئے فیشن کی بے باکی پہ چشمِ شرم غریباں ہے
 لکڑی ہر لچک گویا حیاتِ نو کا عنوان ہے ترقی کی یہ حالت دیکھ کے تہذیبِ گریاں ہے

ہنس چچا کوئی حنِ تقدسِ حسنِ خوباں پر
 ہے داغِ بدنامی چہرہ، تہذیبِ انساں پر

ابھر جاتے ہیں سب اعضاءِ لباسِ حِجّت میں اگر نلے کیوں جائزہ چشمِ ہوس پھرا ز قدمِ تاسر
 جہاں ہرزاد یہ بتلا رہا ہے خود حسیں پیکر نظر کو دعوتِ نظر ادا دیتا ہے جہاں منظر

جوانی کی یہ مستی جن کی یہ خوشیاں توبہ
 بھرے جذبات کے طوفان کی انگڑائیاں توبہ

نخلِ اے نازنین ہندوستانی کی قمِ تھک کو خیالِ لعلِ نور کفِ پڑے گاکم سے کم تجھ کو
 کہ مستقبل کو کرکشن ہے ماضی کا بھرم تھک کو وہِ النایت پر ہی اٹھانا ہے قدمِ تجھ کو

ضمیرِ اللہ جس کی چہرِ شرم و حیا بخشنے
 مسخر کر نہیں سکتے اے پھر مغربی فتنے



تو کاشنِ نظریں ارب کی بہار ہے فکر و شعور و علم کی سرمایہ دار ہے
 تیری جہیں سے حسنِ غزل آشکار ہے دنیا کے علم میں تو بڑی باوقار ہے
 روشن تجھی سے غالب و جکبست کا ہے نام
 دنیا میں سر بلند ہے اردو تیرا مقام

دامن ہے تیرا علم کی دولت سے مالا مال لفظوں میں تیرے حسنِ حقیقت کا ہے جمال
 ہے مستند جہاں میں ترا طرزِ قیلِ تعالٰی انشاء اللہ رہے گا ترا حسنِ لانعال
 تو فطرتاً زبانِ وفا ہے خلیق ہے
 دشمن نہیں کسی کی تو سب کی رفیق ہے

آزاد ہند کا بھی نعرہ بنی ہے تو ثابت وفا پرست وطن میں ہوئی ہے تو
 ہر ایک فردِ قوم کے گھر میں رہی ہے تو کس منہ سے کوئی تجھ کو کہے اجنبی ہے تو
 تو شمعِ فکر و فن ہے متاعِ خیال ہے
 تیرا وجود دہر سے مشامِ حال ہے

بے قید فرقہ سب نے کیا ہے ترا طواف تیری ادا سے مٹ گئے ذہنوں کے اختلاف
 وہ بھی ہیں دوست آج جو کل تک رہے غلام لازم ہے سب پہ اب تری خدمت کا اعتراف
 ہر لمحہ ترے دم سے بڑھاپے وقارِ قوم
 تو چار سو برس سے ہے خدمت گزارِ قوم

ننگے وقت

اک بلائے ناگہانی سر پہ ہے آئی ہوئی ہر طرف دہشت پسندی کی فضا چھائی ہوئی
حق کسی کا پھین نے ناحق کی دارائی ہوئی عظمتِ انسانیت ہے ٹھوکر سے کھائی ہوئی
ہر طرف ہے خون انہں ہر طرف اک آگ ہے

ذکر کیا جنگل کا اپنی آستین میں ناگ ہے

دورِ نفسی نفسی ہے یہ عہدِ بے امن و اماں آج ہے قہر و غضب کا ہر طرف طوفانِ رواں
کارواں کو ٹٹلتا ہے خود امیرِ کارواں اک بھیانک شور سناتے ہیں ہے ڈوبا جہاں

رحم کر نام محمد کی قسم دے کر کویم

تا بہ کہ رنج و محن در دالم دے کر کویم



چلتے پھرتی لوگ بھبھکے جاں نظر آنے لگے جسم پیراہن میں بھی عریاں نظر آنے لگے
روپ میں انسان کے حیراں نظر آنے لگے دیدہ ور بھی دیدہ حیراں نظر آنے لگے
آدی ہی آدمی کے خون کا پیاسا ہے آج

یہ مرض اب لا دوا ہے یہ مرض ہے لاعلاج

گھر جلا کر شاد ہیں گھر لوٹ کر آباد ہیں کیا ستم ہے ملک میں کیسے ستم ایجاد ہیں
پاسبان قوم و ملت مائل فریاد ہیں شاد ہیں اہل جفا اہل وفا برباد ہیں
ایک ہو کر بھی یہاں تقسیم ہو جاتے ہیں لوگ
وقت کے دھارے میں اب خود کو ڈبو جاتے ہیں

خفرتوں کی آگ ہے بھڑکی ہوئی چاروں طرف فرقہ بندی کی ہوا بھیلی ہوئی چاروں طرف
ہے فضائے قتل و خون بڑھتی ہوئی چاروں طرف ذہنِ دہلے پر بے حسی چھائی ہوئی چاروں طرف
مسجد اور مندر کی عظمت بھی تجارت ہو گئی
لے ضمیر اپنے وطن کی کیسی حالت ہو گئی

سادگی

سادگی انسان کے معیار کی پہچان ہے سادگی گفتار کی کردار کی پہچان ہے
سادگی صورتِ گرمحسار کی پہچان ہے سادگی کانٹوں میں بھی گلزار کی پہچان ہے
سادگی کا شان ہی انسانیت کی جان ہے

یہ نہیں تو بس سمجھ لو آدمی حیوان ہے

سادگی کیا ہے حقیقت میں وقارِ زندگی سادگی کیا ہے مزاجِ آدمی کی برتری
سادگی کیا ایک درسِ حاصلِ امرِ دینی سادگی دل کے اندھیروں میں ہے گویا روشنی
خواہش بے جا نہ ہو جس میں رہی انسان ہے

عظمتِ انسانیت کا بس یہی پہچان ہے

سادگی کو جو بنالیت ہے عنوانِ حیات بس وہی پہچان سکتا ہے یہ عرفانِ حیات
سادگی مل جائے جس کو مثلی سامانِ حیات اس کا ہر کارِ عمل ہے اصل میں جانِ حیات
اے مزاجِ دہرا ب تیرے تقاضے اور یہی
تو سمجھ سکتا نہیں اخلاق کے جو طور ہیں

سادہ دل سادہ طبیعت اور یہ سادہ خیال واقعی کھلائے گا ہر دور میں یہ خوش خصال
 اہل دل اہل نظر اہل وفا اہل کمال قابلِ تعریف ہوگی ایسی طرزِ پے مثال
 زندگی کو جس نے پہنایا ہے یہ سادہ لباس
 زندگی چن روزہ اس کو ہی آئی ہے راس
 کب خدا نے یہ کہا ہے سادگی کو چھوڑیے یہ حقیقت ہے حقیقت سے نہ منہ کو موڑیے
 زور پر تو حق پرستوں کے نہ دل کو توڑیے آپ انساں ہیں تو انسانوں سے رشتے جوڑیے
 ہے سلامت آدمیت سادگی کے نام سے
 سادگی باقی رہے گی اس نرالے کام سے
 سے ضمیر اب تجھ سے بڑھ کر کیا بتائے گا کوئی دہر کو آوازِ حق اب کیا سنائے گا کوئی
 بڑے ترے راہِ حقیقت کیا دکھائے گا کوئی خوابِ غفلت سے کسی کو کیا جگائے گا کوئی
 سادگی میں ہم نے دیکھی ہیں خدا کی رحمتیں
 عظمتِ انسان کی پوشیدہ ہیں اس میں عظمتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَامَہٗ مَنظُومٌ

سلام شوق ہمارا قبول ہو مقبول
تمہارے دوست رہیں شاداں و عداوہوں ملول

خداۓ پاک کی نازل ہو ہر گھڑی رحمت
خط آیا آپ کا تسکین قلب نے پائی
وہ سادے لفظوں میں دل کے خلوص کی تصویر
ملی ہے آپ کو تنخواہ سن کے دل ہے شاد
یہ بدلیضی ہے بچھڑے ہو تم جو مادر سے
تمہارے سر سے جو مادر کا اٹھ گیا سایا
اجل کے ساتھ وہ جنت کو ہو گئیں راہی
خدا کا شکر ہے پڑھ لکھ کے تم ہوئے عاقل
یہ تم کو لکھا ہے جو کچھ خلیل لمحوں میں
جناب میں نہ ہو تاخیر یہ خیال ہے
تمام عمر کی طرح کی نہ ہو زحمت
وہ خط جو بن گیا دل کا انیس تہائی
پڑھیں گے شوق سے کیوں ہم نہ آپ کی تحریر
قبول کیجئے اس بندہ کی مبارک باد
سوائے صبر کے چارہ نہیں ہے اب پیار
عزیز اور اقارب کو رہنمائی ہے اس کا
تمہارے بیاہ کی حسرت نہ ہو سکی پوری
یہ سب ہے فیض پدر کا جو تم ہوئے قابل
سمٹ کے آگیا مضمون چند لفظوں میں
اور انتظار کا دل کو نہ بھر ملال رہے

عزیز اور اقارب کا لکھ کے دل سے سلام
ضمیر آپ کا کرتا ہے فتم اپنا کلام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حُجَّابِ بَنی سَاجِدِ صَاحِبِ جَرَسِٹ کی دخترِ اَوَّلِ قمر شاہین سلیمان کی بی بی کامیابی کے موقع پر

نظمِ سِرَّتِ کامیابی مُصَنَّم

۱۹ ۸۳ھ

بارک اللہ نسبتِ بندہ نوازی کا شباب
قرۃ العین آپ کی پانی ہیں وہ طبعِ سلیم
خودِ علی جُزوفِ طست اور ذہانتِ بیکراں
حال جب ذہن رسا کا ہو اگر اتنا قوی
یہ خدا کی دین ہے اس میں نہیں کوئی کلام
ہو مبارک آپ کو ساجدِ حُسنی تہنیت
آپ پر ساجدِ حُسنی ہے کرم یوں بے حساب
پورے کالج میں بڑی مشکل سے ملتا ہے جو آپ
دیکھ لیں اک بار تو آزر ہوں اسباقِ کتاب
باعثِ حیرت نہیں چمکے وہ بن کر آفتاب
کھانے والے کھاتے رہتے ہیں ہمیشہ تریحِ دُباب
آپ کی بیٹی کا مستقبل ہے نسلِ ماہتاب

کامیابی کی لکھو تاریخِ ہجری میں ضمیمہ

شہرہ کامل قمر شاہین بی بی اے کامیابی

۱۳۰۴ھ

بِعَوْنِ اللَّهِ الْعَزِيزِ خواجه ضمیمہ

۱۹ ۸۳ھ

عید

مبارک ہوں تجھے اے دوست یہ خوشیاں مبارک ہوں
ہلالِ عید نکلا عید کے سماں مبارک ہوں

یہاں ہندو مسلمان عید کی خوشیاں مناتے ہیں
یہاں سب امن کا آئینہ دنیا کو دکھاتے ہیں
یہاں اپنوں کو غیروں کو بھی سینے سے لگاتے ہیں

مبارک ہوں تجھے اے دوست یہ خوشیاں مبارک ہوں
ہلالِ عید نکلا عید کے سماں مبارک ہوں

لغات تری قربت کی مرے نعروں میں ڈھل جاتی ہے
ترے جلوؤں کی تابانی میں میری فکر پلپتی ہے
پُری سانوں کی خوشبو میں مری ہر سانس چلتی ہے

مبارک ہوں تجھے اے دوست یہ خوشیاں مبارک ہوں
ہلالِ عید نکلا عید کے سماں مبارک ہوں

ترے ہی دم سے باقی ہے زمانے میں حیات اپنی
زمین اپنی فلک اپنا یہ دن اپنا یہ رات اپنی
ضمیر اپنا سلامت ہے تو ساری کائنات اپنی

مبارک ہوں تجھے اے دوست یہ خوشیاں مبارک ہوں
ہلالِ عید نکلا عید کے سماں مبارک ہوں

عید

جلوہِ ناپا ہے ماہِ نوسوئے فلک اکٹھا نظر
سن لے پیامِ عید کا میری خبر لے بے خبر

حسن کی تیرے دید ہو عشق کی میرے عید ہو

ساغیرھے پلا پلا ہو شی مرے اڑا اڑا
روئے حیں دکھا دکھا آنچل ذرا ہٹا ہٹا

حسن کی تیرے دید ہو عشق کی میرے عید ہو

سب کو ہے تیری جستجو تجھ کو ہے کس کی جستجو
آکے گلے لگا مجھے پوری ہو دل کی آرزو

حسن کی تیرے دید ہو عشق کی میرے عید ہو

تیری یہ زیر لب ہنسی و مشک بہار گلستاں
حسن و جمال سے تیرے نازِ کھر مرا جہاں

حسن کی تیرے دید ہو عشق کی میرے عید ہو

رستے بدل گئے تو کی دو دنوں وطن کی شان ہیں
شیخ و برہمن آج بھی اپنے چین کی آن ہیں

حسن کی تیرے دید ہو عشق کی میرے عید ہو

گیت

میں بے راگن میں دکھیا ری
پیت کی پیاسی پیت کی ماسی
گلین گلین تو ہے پکاری
یاد میں رورو رین گزارے
آجا آجا آجا آجا
آ آ آ آ آ آ آ

تو اہیں آے جی گھبرائے
کارے کارے بادل چھلے
رم جھم رم جھم جل برسائے
گیت ملن کے کوئل گائے
آجا آجا آجا آجا
آ آ آ آ آ آ آ

سلس کا بندھن لٹ نہ جائے
دل کا پھیولا پھوٹ نہ جائے
روح کا پتھری چھوٹ نہ جائے
آس کو بیرن لٹ نہ جائے
آجا آجا آجا آجا
آ آ آ آ آ آ آ

تجھ بن جیون جیون ناہیں
تجھ بن گلشن گلشن ناہیں
تجھ بن سادن سادن ناہیں
تجھ بن کچھ بھی ساجن ناہیں
آجا آجا آجا آجا
آ آ آ آ آ آ آ

کیا تمہیں یاد نہیں

چھول کھلتے تھے بہاروں کے پیام آتے تھے
چاند تاروں سے مجھت کے سلام آتے تھے
مست آنکھوں سے چمکتے ہوئے جام آتے تھے

کیا تمہیں یاد نہیں کچھ بھی تمہیں یاد نہیں

میں تمہیں جانِ غزل جانِ وفا کہتا تھا
میں تمہیں دل کے دھڑکنے کی صدا کہتا تھا
میں تمہیں خودِ محبت کی دوا کہتا تھا

کیا تمہیں یاد نہیں کچھ بھی تمہیں یاد نہیں

میرے دل میں رہے تم دل کا سہارا بن کر
میری آنکھوں میں رہے آنکھوں کا تارا بن کر
جیسے طوفان میں ہو کوئی کشتی کا رابن کر

کیا تمہیں یاد نہیں کچھ بھی تمہیں یاد نہیں

تم نے چپ ساتھ نبھانے کی قسم کھائی تھی
زندگیا پیار کی قدموں میں سمٹ آئی تھی
دلِ تاریک میں اک روشنی لہرائی تھی

کیا تمہیں یاد نہیں کچھ بھی تمہیں یاد نہیں

رودِ بن کر مرے سینے میں اتر جاتے تھے
اشک بن کر مری پیکوں پہ بھر جاتے تھے
ہے ضمیر اپنا یہ کہتے ہوئے مرجاتے تھے

کیا تمہیں یاد نہیں کچھ بھی تمہیں یاد نہیں

وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی کے تخریبی جلسہ میں یہ قتلہ کیا گیا



وادیوں میں موت کی نایاب کوھر کھو گیا
 روشنی کا ہند کی ہلے مُقدّر سو گیا
 راجیو کی موت پر ہر فرد عالم کا ضمیر
 دل گرفتہ ہو گیا مصروفِ ماتم ہو گیا



یہ تقریب اِکادی جو نشاطِ جاوَد ہے
یہ قویٰ یک جہتی کی گویا زندہ نشانی ہے
وفا رہند دنیا میں سلامت ہے ضمیرِ انبیا
یہی تو عظمتِ انسانیت کی راجدہانی ہے



صداۓ خیرِ اولِ حشمت با تو سلمہا کی پسید آتش پر ہے

قطعات



ہر ایک کا دل فرسند ہے اب پیلاشِ حشمت بالو
گھر بھر میں خوشی کی دھوم مچی ہے خاص جو فضلِ یابی
تاریخِ تولد کھدو ضمیر اب تم بھی صوری صحت میں
تیرہ سواٹھ ستر، بھری ہے اور گیارہ جماد الثانی

۷۸ء ۱۳



تمنا ہے یہی دل کی گر میرا ساتھ دے قیمت
بچھا دوں تیرے قدموں میں زمانے بھر کی ہر راحت
ضمیرِ خستہ دل کی آرزوں کا تقاضا ہے
تجھے پروان پڑھتے دیکھ لوں آنکھوں سے اے حشمت

لطف کی بنیاد ہو یا عیش کی ہمید ہو
بے ارادہ پار آور دل کی ہر امید ہو
جو ہم ایسے درد مندوں کو بھی خوش کر دے کبھی
بندہ پرور عید ہو کرئی تو ایسی عید ہو

جاں بلب سی ہو گئی ہے دل میں حسرت عید کی
رب گئی ہے کس قدر مویج مسرت عید کی
مسکراہٹ میں نہاں طوفانِ غم ہے اے ضمیر
ہائے کس ماحول میں دیکھی ہے صورت عید کی

عید آئی ہے غریبوں کو رلانے کے لئے
دل کے ارمانوں کو بٹی میں ملانے کے لئے

آ رہا ہے خیالِ عید مجھے
جانے کیا دہلائی عید مجھے

عیش و عشرت اور طرب کا لطف تیری دید ہے
تو نہیں جب سامنے تو خاک میری عید ہے

خوشی کا ذکر کہاں غم کو ساتھ لائی ہے
یہ تحفہ ہے کے ضمیر آج عید آئی ہے



جب گلستاں کو بہاروں سے سجایا میں نے
گل تو ہاتھ آنے کا خار ہی پایا میں نے
یوں تو روشن کیا ہر گوشہ دنیا کو ضمیر
دیکھا اپنے ہی شہستاں پہ اندھیرا میں نے



اس قدر بدلی ہوئی قسمت پہ کیوں حیران ہے
مرتبہ تیرا بہت اونچا ہے تو ان ہے
مشکلوں میں یاد رکھ بس اک یہی حق ضمیر
عدمِ کامل ہو تو ہر مشکل تیری آسان ہے



کیا پوچھتا ہے مجھ سے نظامِ بہار تو
پھولوں سے بڑھ کے خار کی ہوتا ہے آبرو
سیرِ حین سے آج تو باز آئے ہم ضمیر
ہر پھول میں ہے خونِ جگر خونِ آرزو

شاعری کا ہے تعلق اس طرح عرفان سے
زندگی کا ربط ہے جس طرح جسم و جان سے
کو رباطن کیا مقام شاعری سمجھے ضمیر
بلوچھے اس کی حقیقت حضرت حسانؓ سے

جھومے ہیں میری خوش فکری پہ شیخ و برہمن
گرم ہو جاتا ہے غجے سے محفل شعر و سخن
خونِ دل خونِ جگر کا رنگ لے کر لے ضمیر
بھوٹی ہے میری غزلوں سے محبت کی کرن

میر مسک میا ہے سب روحانیت کا اہتمام
میں ہوں شاعر کیوں نہ اعلیٰ ہو مرا فکری مقام
بس یہی میرا طریق بند گاہ ہے اے ضمیر
ذکرِ خالق ہے مری لوکِ زبان پر صبح و شام

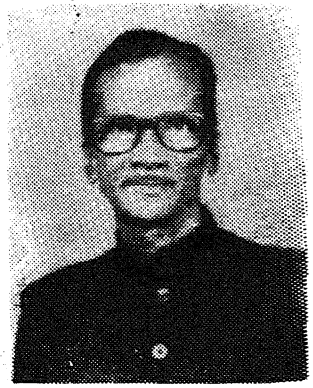
تری الفت کے رشتے اس طرح سے ٹوٹ جاتے ہیں
کہ جیسے دل میں چھالے پڑتے ہیں اور پھوٹ جاتے ہیں

اسرارِ معرفت کا سمندر ضمیر ہے
ہر منزلِ حیات کا رہبر ضمیر ہے
خونِ جگر ٹپکتا ہے جس کے کلام سے
وہ زندگی شناس سخنور ضمیر ہے

ناقدِ سخن کی ہے غمناک داستاں
مرنے کے بعد سر پہ بٹھاتا ہے یہ تہاں
قلوبِ ہیز بقدرِ ہیز بھی نہیں ضمیر
افسوس اہلِ ذوق کا کیا کیجے بے

دیبِ پلکوں پہ جاگم گاتے ہیں
زخمِ دل جب بھی مسکراتے ہیں
جھونکے بادِ بہار غم کے ضمیر
باغِ ہستی کو ہلہلاتے ہیں

گکشنِ فکر میں ضمیر اپنے
کتنی رنگیں بہا آئی ہے



صدائے ضمیر

جناب خواجہ ضمیر صاحب کے آثارِ قلندرانہ ہیں۔ میں کم از کم تیس سال سے ضمیر شناس رہا ہوں۔ ان کی طبیعت کی یکسانیت تعریف و وصلہ سے بے نیازی۔ نہ کسی سے یارانہ۔ نہ کسی سے دشمنی، کسی سے ملے تو خیریت پوچھ لی!۔ یہ سب کی بعضیں ٹٹولتے ہیں، چونکہ پیشہ طب ہی ان کی روٹی کا ذریعہ ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں ان کی نبض کوئی دیکھنے والا نہیں اور نہ کوئی خیریت دریافت کرنے والا۔ اپنے اور اپنے متعلقین کے دکھوں کا مداوا ہی ان کی زندگی ہے بقول ان ننھے

نہ مجھ کو ڈوبنے کا غم، نہ مجھ کو خوفِ طُوفان ہے
مری کشتی وہ کشتی ہے، خدا جس کا نگہاں ہے
ایمان و ایقان کی یہ پختگی، انسان کو ایک کردار عطا کرتی ہے اور جو۔

بے ضمیر ہوتا ہے اُس کے کردار کی بات ہی کیلئے ہے! ۹

”صدائے ضمیر“ انہی احساسات پر مشتمل مجموعہ ہے۔ ہم عموماً بڑے ناموں اور دُور کے ڈھولوں کی آوازوں پر کان لگانے اور انہیں پہچانے کے عادی ہو گئے ہیں۔ خواجہ ضمیر ایک چھوٹا نام ہے۔ آپ ضمیر کو پڑھیں گے تو محسوس ہوگا، آپ کا ضمیر کس کس مقام پر آپ کو کچھو کھو لٹکے گا۔ شرط، بلا تحفظ ذہنی پڑھنے کی ہے!

مسلم خوشنویس عفی عنہ